مارچ 2002

ماہنامہ

اردو دنیا

نئی دہلی

- تعلیمی اور تہذیبی اور قومی نقطہ نظر سے [illegible] کی زبان [illegible] بنیادی پتھر ہے جس کے بغیر ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کی ساری عمارت کجی کا شکار ہو [illegible]
- جب تک زبان کی بنیاد مستحکم نہیں ہوگی، ادب کا فروغ ممکن [illegible] لیے جب تک اردو زبان کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم کا کماحقہ انتظام [illegible] ہوتا، اس وقت تک [illegible] اور [illegible] ہوگا کہ اردو زبان و ادب، ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔
- اگر اردو دوستوں کو واقعی اپنی زبان سے محبت ہے [illegible] پیمانے پر ایک ایسی مہم چلانی ہوگی جس سے پہلے مرحلے پر اردو میں ابتدائی تعلیم کا انتظام ہو اور دوسرے مرحلے پر ثانوی تعلیم میں سہ لسانی فارمولے کے ذریعے اردو تعلیم کو آگے بڑھایا جاسکے۔

— آل احمد سرور

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی
محکمہ ثانوی و اعلا تعلیم، وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

اردو زبان وادب اور ثقافت کی انسائیکلوپیڈیا کی تیاری کے سلسلے میں ایک اہم میٹنگ 12ر فروری 2002 کو انڈیا انٹرنیشنل سنٹر میں منعقد ہوئی جس کی مجلس صدارت کے اراکین جناب شمس الرحمن فاروقی اور پروفیسر گوپی چند نارنگ تھے۔ تصویر میں پینل کے دیگر اراکین (بائیں سے) پروفیسر نثار احمد فاروقی اور پروفیسر سید جعفر رضا کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

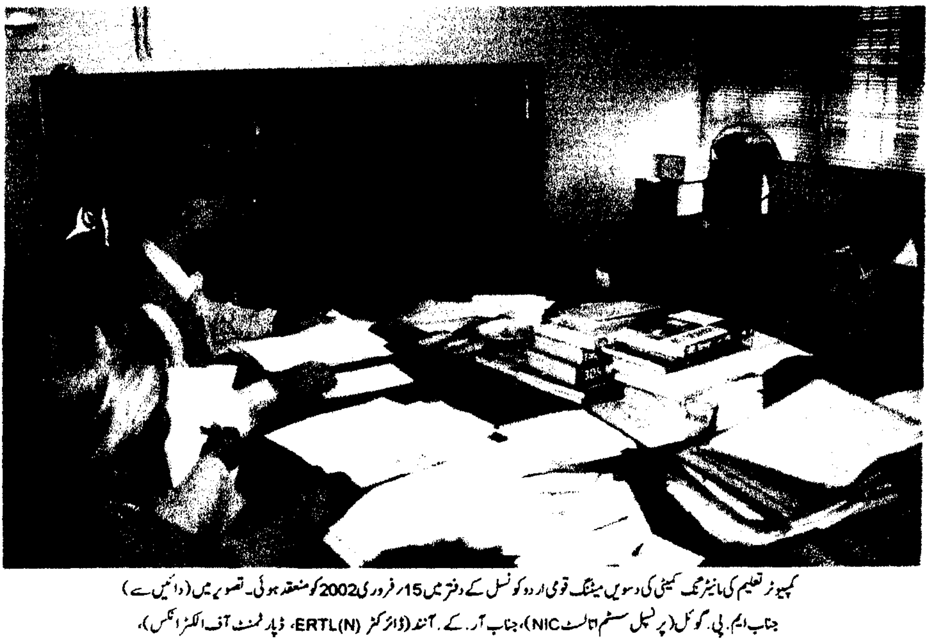

کمپیوٹر تعلیم کی مانیٹرنگ کمیٹی کی دسویں میٹنگ قومی اردو کونسل کے دفتر میں 15ر فروری 2002 کو منعقد ہوئی۔ تصویر میں (دائیں سے)
جناب ایم. پی. گوئل (پرنسپل سسٹم انالسٹ NIC)، جناب آر. کے. آنند (ڈائرکٹر ERTL(N)، ڈپارٹمنٹ آف الکٹرانکس)،
ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ (ڈائرکٹر قومی اردو کونسل) اور جناب مشتاق احمد پیر (ڈائرکٹر کمپیوٹر سنٹر، کشمیر یونیورسٹی)

ماہنامہ
اردو دُنیا نئی دہلی

جلد۔4، شمارہ۔3، مارچ 2002

قیمت -/10 روپے سالانہ -/100 روپے

مدیر: ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

معاون مدیر: ارجمند آرا

مشیر: مخمور سعیدی

ناشر اور طابع
ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل محکمہ تعلیم، حکومت ہند

صدر دفتر:
ویسٹ بلاک۔1، ونگ-6
آر۔کے۔پورم، نئی دہلی- 066 110
فون 6103381, 6103938
6179657 فیکس 6108159
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.com
email: urducoun@ndf.vsnl.net.in

کمپوزنگ: قومی اُردو کونسل

مطبع: جے کے آفسیٹ پرنٹرس، جامع مسجد
دہلی۔110006

مقامِ اشاعت: دفتر قومی اُردو کونسل

شعبۂ فروخت
ویسٹ بلاک-8، ونگ-7،
آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066
فون: 6109746

شاخ: 5-4-4/435/20، گرین ہاؤس،
اسٹیشن روڈ، نام پلی، حیدرآباد 001 500 (A.P.)
فون: 4615139

اس شمارے میں

آپ کی بات .... خطوط 2

ہماری بات .... اداریہ 5

فروغ اردو اور رضاکار تنظیمیں (گیسٹ کالم) .... محمد اسحٰق جھنجھانہ والا 7

● اردو دوستوں سے ایک اپیل .... آل احمد سرور 9

● اردو کی بنیادی شناخت رسم الخط ہے...(انٹرویو) .... گوپی چند نارنگ 11

● ہمارے مدارس اور جامعات میں عربی زبان کی تعلیم .... نثار احمد فاروقی 17

● ہندستان کا نیا لسانی منظر نامہ .... اے آر فتیحی 21

● اردو میڈیا اور نئے چیلنج .... بی ڈی چندن 24

● اردو کی ترقی کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں .... ابوالفیض سحر 27

● اسکرپٹ نگاری .... محمد شاہد حسین 31

● خبروں کا روزینہ .... انورادھا بھٹاچارجی 37

گوشۂ ادب

● اٹھارہ سو ستاون کی کہانی مرزا غالب کی زبانی (پانچویں قسط) .... مرزا غالب 39

گوشۂ فروغِ کتب

● برقی اور الکٹرانکس انجینئری .... اردو انسائیکلوپیڈیا، جلد اول 42

طلبہ کے لیے

● نیا تعلیمی سال — نئے داخلے .... سلمان عابد 46

● مائکرو سافٹ ورڈ .... عظیم صدیقی 50

● کھیل، کود (کوئز) .... نجمہ نقوی 53

اُردو خبر نامہ .... ادارہ 56

تبصرہ و تعارف .... کتابوں پر تبصرے 73

● قدیم ہندستان کی ثقافت و تہذیب.../ ڈی ڈی کوسمبی .... مبصر ملک راشد فیصل

● دیواروں کے باہر / ندا فاضلی .... مبصر وسیم بیگم

● شکستہ بتوں کے درمیان / سلام بن رزاق .... مبصر حبیب الرحمان

● جواز وانتخاب / کوثر مظہری .... مبصر مشتاق صدف

● گزرگاہ / آصف نقوی .... مبصر حسن مثنیٰ

● اگلی صدی کے موڑ پر / عظیم راہی .... مبصر سہیل میاں

● بردواو — کشمیری کہانیوں کا مجموعہ / ڈاکٹر روپ کرشن بٹ ... مبصر وریندر پتواری

● مسائل تمثیل در ادبیات فارسی / اخلاق احمد آہن .... مبصر احمد کفیل

● انقلاب مردہ باد / اشتیاق سعید

● شہر بناس / شوق احسنی ٹونکی

بچوں کا گوشہ

● چرک ("ہندستان کے سائنس داں" سے اقتباس) .... دلیپ ایم سالوی 79

آپ کی بات

■ ڈاکٹر قمر جہاں، شعبۂ اردو، ٹی ایم بھاگلپور یونی ورسٹی، بھاگلپور۔

"اردو دنیا" دسمبر 2001 میرے مطالعے میں ہے۔ زبانِ اردو کے فروغ کے لیے آپ اور آپ کے رفقا جو کارنامے انجام دے رہے ہیں وہ یقیناً ناقابلِ فراموش ہیں۔ کاش! ہم اردو کو روزگار سے جوڑنے میں کامیاب ہو سکیں۔ اردو نے اپنی تہذیبی، ثقافتی اور سماجی و قومی حیثیت تو منوالی ہے مگر اقتصادیات سے اس کا رشتہ ہنوز مضبوط نہیں ہو سکا ہے اور موجودہ صورت میں اردو کی بقا کے لیے یہ بنیادی نکتہ ہے۔ مجھے یقین ہے آپ پروفیسر گوپی چند نارنگ اور دوسرے کرم فرما اس کوشش میں اگر اسی طرح لگے رہے تو انشاء اللہ تعالیٰ مستقبل میں اردو کے ساتھ آپ لوگوں کا نام بھی ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جائے گا۔

پیشِ نظر شمارے کی خاص چیزیں "ہماری بات"، "دیمکوں کی ملکہ سے ایک ملاقات"، "اٹھارہ سو ستاون کی کہانی مرزا غالب کی زبانی" اور "املانامہ" سے اقتباس، وغیرہ ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ماہنامہ "اردو دنیا" اس وقت اردو زبان سے متعلق نئی معلومات کا ایک خزانہ بنتا جا رہا ہے۔ میں نے اسی نقطہ نگاہ سے اس رسالے کو پوسٹ گریجویٹ سمینار لائبریری کے لیے منظور کروا لیا ہے تاکہ طلبہ و طالبات ہماری عملی کوششوں میں ساتھ ساتھ رہیں۔ ہندستان کی تمام لائبریریوں میں اسے پہنچنا چاہیے تاکہ نئی نسل اردو سے قریب ہو۔

■ اختر الزماں، نزد نگر پالیکا، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ (یو۔ پی)

میں آپ کی کارکردگی اور "اردو دنیا" کے حسنِ انتظام، احسن انتخاب سے کافی متاثر ہوں۔ اس بات سے مسرت میں کچھ مزید اضافہ ہو جاتا ہے کہ آپ مختلف سطحوں پر اردو کے تحفظ و بقا کے لیے کام کرتے رہتے ہیں۔ استاذی پروفیسر مجاور حسین رضوی نے بھی آپ کے اس مثبت اقدام کی متعدد بار تعریف کی ہے۔

اردو دنیا میں شائع شدہ "گاہے گاہے باز خواں" کی متعدد اشاعتوں اور رسائل و کتب سے پتا چلتا ہے کہ بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں ہی اردو زبان کی صورت، کردار اور ہر دل عزیزی کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی، جس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو کا مرثیہ پڑھنے اور دل و دماغ میں تناؤ پیدا کرنے کے بجائے ہم میدانِ عمل میں اتر آئیں۔ جن جن کنوؤں سے چند قطرے ملنے کی امید ہو ان میں تاک جھانک کریں۔ اگر ہمیں دشمن سے بھی کچھ توقع ہو تو ان سے ملنے سے گریز نہ کریں۔

اردو کے سرکاری و نیم سرکاری اداروں میں اردو کے لیے جو کچھ بھی کام ہو وہاں ہو اس کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ ان سے مزید توقعات وابستہ کی جا سکیں۔

"اردو پڑھو اور پڑھاؤ مہم" کوئی ناقابلِ عمل تجویز نہیں ہے۔ اگر اردو کے تمام بہی خواہ مل جل کر اردو کے لیے کام کریں اس کے خاطر خواہ اور نتائج بر آمد ہوں گے۔ میں تمام بہی خواہانِ اردو سے دست بستہ گزارش کرتا ہوں کہ وہ اردو پڑھو اور پڑھاؤ مہم میں حصہ لے کر اپنے ہم وطنوں کو اس زبان سے فیض یاب ہونے کا موقع فراہم کریں۔

■ ارشد عبدالحمید، شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج، ٹونک۔ 304001

"اردو دنیا" میں شائع ہونے والے تبصروں سے نہ صرف متعلقہ کتب کا عمدہ تعارف ہوتا ہے بلکہ ادبی مسائل پر گفتگو کا سلسلہ بھی قائم ہوتا ہے۔ لیکن جنوری کے شمارے میں "تجزیہ اور تنقید" پر جناب سرور الہدیٰ صاحب کا تبصرہ اس روایت کو قائم نہیں رکھ سکا۔ سرور صاحب کتاب کی کمزوریوں کی نشاندہی کرتے یا مدلل ادبی اختلاف کیا جاتا تو بات الگ تھی۔ یہاں تو ہوا یہ ہے کہ ان کے اندراز تحریر اور کچھ لاپروائی کے باعث کتاب کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اختصار کے پیشِ نظر محض تین ثبوت پیش کرتا ہوں۔

1- موصوف نے اپنے تبصرے میں لکھا ہے کہ راقم الحروف نے اپنے مضمون "اردو میں نو تنقیدی رجحانات" میں جناب شمس الرحمان فاروقی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ متذکرہ مضمون میں نہ صرف فاروقی صاحب کا ذکر موجود ہے بلکہ اردو کے جتنے نو نقادوں پر گفتگو کی گئی ہے ان میں سب سے زیادہ گفتگو (تقریباً دو صفحات) فاروقی صاحب ہی کی تنقید پر ہوئی ہے۔ "تجزیہ اور تنقید" کے صفحات پر 31 اور 32 کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

2- سرور صاحب جس مضمون کا ذکر کرتے ہیں اس مضمون کے کلیدی نکتے کو اپنی ذاتی رائے کے طور پر بیان کرتے ہیں جس سے یہ بھرم پیدا ہوتا ہے کہ صاحبِ مضمون نے وہ بات نہیں لکھی ہے جو تبصرہ نگار کی ذاتی رائے کے طور پر بیان ہوئی ہے۔ اس طرح کی کئی مثالیں ہیں۔ یہاں بطور ثبوت صرف ایک پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ سرور صاحب لکھتے ہیں— "میری ذاتی رائے یہ ہے کہ مخمور سعیدی کی شاعری کو کسی خاص اصطلاح یا نام سے علاقہ

نہیں۔"تبصرہ نگار کا یہ بیان راقم الحروف کے مضمون "عمر گذشتہ کا حساب: تعین قدر کا مسئلہ" پر دیا گیا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ مذکورہ مضمون اس ایک نکتے پر مبنی ہے کہ محمود سعیدی کو کسی ایک ازم، رجحان یا اسلوب کے دائرے میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس نکتے کو مضمون سے خارج کر دیا جائے تو یہ مضمون ہی باقی نہیں رہے گا اور اس کی نکتے کو سرور الہدیٰ صاحب نے مصنف کی جگہ اپنی ذاتی رائے بتایا ہے!

3- سرور صاحب نے کتاب کے بعض مضامین کو اپنے بیانات سے خاصا الجھا کر پیش کیا ہے۔ ادب کی آفاقیت، جدیدیت میں تہذیب و ثقافت سے فرار اور اجتماعیت کے فقدان وغیرہ مسائل پر انھوں نے راقم الحروف کے ایک ایک، دو دو جملے Quote کیے ہیں لیکن یہ جملے کس تناظر، کس سیاق و سباق اور کس منشا سے لکھے گئے ہیں، اس کا انھوں نے خیال نہیں رکھا ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ بین المتونی معلومات کو جمع کرنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے ہیں۔ کسی موضوع پر دس بیس صفحات لکھنا اور پوری کتاب مرتب کرنا الگ الگ باتیں ہیں۔ مضمون میں موضوع سے سر مو انحراف کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ "تنقید کا مقصد اور عمل" میں راقم الحروف نے تنقید کے مقامی اور عصری Function پر زور دیا ہے لیکن مقامیت اور عصریت کا اثبات ہر حال میں آفاقیت کی نفی ہی سمجھا جائے یہ سراسر زیادتی ہے۔ اوپر بین المتونیت کا ذکر ہوا۔ اگر کتاب کے دیگر مضامین کو پڑھنے کی طرح پڑھا گیا ہوتا تو ادب کی آفاقی قدروں پر راقم الحروف کی ناچیز رائے اور رویے کو بہ آسانی سمجھا جا سکتا تھا۔

یہ چند باتیں "اردو دنیا" کے قارئین کی معلومات کے لیے اس لیے لکھ دی گئی ہیں کہ انھوں نے نہایت عجلت میں "تجزیہ اور تنقید" کے اوراق پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور فرض کفایہ ادا ہو گیا۔ "کاتا اور لے دوڑی" کی طرز پر ان سے جو سہو ہوا وہ ہماری نسل کے لیے ایک عام بات ہے اور اس پر توجہ کی اشد ضرورت ہے۔

■ **محمد رفیع بجاڑ نیپاں کرناہ، ٹنگدر، ضلع کپواڑہ، کشمیر۔**

مجھے امید ہے کہ اردو زبان کے تحفظ، ترقی اور توسیع کے جو منصوبے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے تحت چل رہے ہیں پوری اردو دنیا ان کی کامیابی کی متمنی ہے۔ ہمارے یہاں اسکولوں میں اردو میڈیم تو ضرور ہے لیکن یہاں اردو لغات دستیاب نہیں ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ ہوتا ہے کہ اردو لکھنے اور بولنے میں انگریزی استعمال ہو جاتی ہے۔ ہر فرد اور ہر طبقے کے لوگوں کو اردو زبان کی ترقی میں دلچسپی اور اخلاص کے ساتھ کام کرنا ہوگا۔

تب جا کر اردو تعلیم کو بین الاقوامی معیار تک لے جانا ممکن ہوگا۔

کونسل نے اردو کی کئی مستند لغات شائع کی ہیں جن سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ (ادارہ)

■ **عارفین خاں عرفی، کریم گنج، بعدیہ گیا (بہار)**

اردو دنیا ماہ دسمبر 2001 میں آپ کا اداریہ پڑھا۔ آپ کی بات بالکل صحیح ہے کہ اردو بولنے اور پڑھنے والوں کے لیے اپنی زبان میں معاصر علوم کی منتقلی اور اس راہ کی رکاوٹوں کا تدارک ضروری ہے۔ ہم نے خود ہی اردو کے دراپنے اوپر بند کر لیے ہیں اور انگریزی کی طلب میں اردو کو فراموش کر بیٹھے ہیں جبکہ ہماری اصلی دولت تو یہی ہے۔ بھگوان داس نے اردو کو صحیح مقام دینے کے لیے جو نظریات پیش کیے وہ صحیح ہیں۔ ہاں ایک بات اور کہ پرائمری اسکولوں میں ہر طالب علم کو، چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اردو رسم خط کی تعلیم ضرور دی جائے اور اردو کی ترقی کے لیے سرکار کوئی نیا منصوبہ بھی شروع کرے۔ تب کہیں جا کر اردو کو صحیح مقام مل سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہندستان کے کافی لوگ اردو کو ہندی سمجھ کر بولتے ہیں۔ وہ یہ فیصلہ نہیں کر پاتے کہ یہ لفظ اردو کا ہے یا ہندی کا۔ اور میرے خیال میں وہ جو بھی بولتے ہیں وہ نہ اردو ہوتی ہے نہ ہندی بلکہ وہ ہندستانی ہوتی ہے۔

■ **شہاب اختر، کلکتہ کلاتھ اسٹور، کپڑہ پٹی، جھریا، دھنباد**

زبان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ زبان کا ملک ہو سکتا ہے۔ میں وزارت ترقی انسانی وسائل کو مبارکباد دیتا ہوں جس نے سہ روزہ کل ہند اردو کانفرنس کے انعقاد اور اس کی کارگزاری سے اردو زبان کو ملک کے نام کیا ہے اور محض مسلمانوں کے لیے اسے چھوڑ دینے کا ارادہ ترک کیا ہے۔ آزادی کے بعد اردو کے ساتھ جو سرکاری بے انصافیاں ہوئی ہیں وہ محض اس غلط فہمی کی وجہ سے کہ اردو تو مسلمانوں کی داسی ہے۔ میں گوپی چند نارنگ صاحب کا شکر گزار ہوں۔ انھوں نے اردو کے لیے ایک نیا ماحول پیدا کرنے میں بڑی کوششیں کی ہیں۔ اس کامیاب سیمینار کے لیے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں۔

■ **انوار انصاری، سابق سینئر آڈٹ آفیسر، اولڈ ہزاری باغ روڈ، اپوزٹ چوتا بھٹہ، رانچی**

سال نو یعنی جنوری 2002 کا شمارہ آب و تاب سے جلوہ گر ہوا۔ اس شمارے میں ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی کا مضمون گراں قدر ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اردو کسی خاص فرقے یا جماعت کی زبان نہیں ہے۔ جب زبانیں کسی مخصوص فرقے سے جوڑ دی جاتی ہیں تو ان کی ترقی رک جاتی ہے۔ زبانیں

مذہبوں سے علاقہ نہیں رکھتی ہیں، زبانوں کے اپنے علاقے ہوتے ہیں۔ وزیرِ موصوف کی یہ سب باتیں حقیقت پر مبنی ہیں۔

اس شمارے میں مجتبیٰ حسین کا مضمون "اردو کتاب میلے میں" اور منظور عثمانی کا "دوسرا کل ہند اردو کتاب میلہ"؛ علاجِ قلب میں انقلاب، اسٹاک ایکس چینج کی افادیت اور اس کا طریقہ کار بہترین مضامین ہیں۔ ایسے مضامین قارئین کو صرف اردو دنیا ہی میں پڑھنے کو ملتے ہیں۔ اس کے لیے آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اس بار آپ نے "بھکائی جی کا ما" کے متعلق تفصیلی مضمون بچوں کے گوشے میں شامل کیا ہے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ مضمون بچوں کے ساتھ بڑوں کے لیے بھی کارآمد ہے۔

رسالہ ہر لحاظ سے کامیاب اور معیاری ہے اور آپ کی نگرانی میں ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔

■ ایم عارف خاں اعظمی، طالب علم، کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سینٹر، رام پور (یوپی)

ایک ایسی زبان جسے جانتا بھی پہچانتا بھی ہوں لیکن دس برس بعد اس کا استعمال کر رہا ہوں۔ گھر میں ماں کے علاوہ کوئی اردو نہ جانتا تھا سو ان جا کر پھر پاپا نے اردو سیکھی اور پھر ہمیں سکھائی۔ میں نے تین مہینے لفظوں کی پہچان کی انھیں ملا کر دیکھا اور آج لکھنے بیٹھ گیا۔ اس طرح ایک اردو داں گھر نے اپنی لسانی شناخت کی بازیافت کر لی۔

■ غلام سرور قادری نعیمی، اردو ٹیچر، شری رام انٹر کالج، نیلیاں کلاں، دیوریا، یوپی۔

"اردو دنیا" ہمہ جہت تحریک کا مالک ہندستان کا منفرد رسالہ ہے۔ قومی کونسل نے جس مقصد کے ماتحت اس رسالے کی اشاعت کرنے کا فیصلہ کیا تھا شاید دورِ حاضر میں وہ پورا ہو رہا ہے نیز رفتہ رفتہ قومی کونسل کی سرگرمیاں اردو تحریک کا روپ لے رہی ہیں۔

■ محسن بن حسین، ہاؤس نمبر 18-1-423/1/3/20A، پھول باغ، چندرا این گٹہ حیدر آباد (آندھرا پردیش)

قومی اردو کونسل نے کمپیوٹر مرکز قائم کر کے اردو کو ایک نئی راہ پر گامزن کرنے کا صحیح طریقہ اختیار کیا کیوں کہ کمپیوٹر آج ہمارے لیے مفید ہی نہیں بلکہ ایک ضرورت بن چکا ہے۔ جب سے میں نے قومی کونسل کے ایک سالہ کمپیوٹر کورس میں داخلہ لیا تب سے میں اپنے آپ کو خوش قسمت محسوس کر رہا ہوں کہ مجھے اپنی مادری زبان میں کمپیوٹر کورس کرنے کا موقع ملا اور مجھے بہت ہی شفیق اور بہترین اساتذہ بھی ملے۔ آپ کی کاوشوں کا صلہ رفتہ رفتہ حاصل ہو رہا ہے۔ میں اور میرے تمام ساتھی آپ سب کے ممنون و متشکر ہیں۔

■ محمد صوفی جمال، (کبری)، ریٹو کوٹ، ضلع سون بھدر، یوپی۔

"اردو دنیا" ہر ماہ وقت پر مل رہا ہے اردو کے متعلق مضامین بے حد پسند آتے ہیں۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی طرف سے اردو رسم خط سکھانے کے لیے انگریزی و ہندی زبان کے ذریعے مراسلاتی کورس اردو زبان کے فروغ میں موثر ثابت ہو رہا ہے بلکہ میں تو اسے اردو زبان کے لیے آبِ حیات سمجھتا ہوں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ محبانِ اردو اس کو لوگوں میں متعارف کروائیں اور ملک کے ہر خطے سے اس کورس میں لوگ شامل ہوں۔ ریٹو کوٹ، ضلع سون بھدر، یوپی میں اس کورس میں حصہ لینے کے لیے لوگوں سے رابطہ کیا گیا ہے۔ 10 افراد جنھیں اردو نہیں آتی ہے، بذریعہ ہندی اس مراسلاتی کورس میں حصہ لینے کے لیے تیار ہوئے ہیں اور تفصیل اور داخلہ فارم کے لیے قومی کونسل سے رابطہ قائم کیا گیا ہے۔

■ ع۔ رحمان انصاری، ڈومن پورہ شمال، مئوناتھ بھنجن، یوپی

اردو دنیا جنوری 2002 کے شمارے میں محترم مجتبیٰ حسین کی شرکت سے ہمیں جس قلبی سرور و انبساط کا احساس ہوا اس کو لفظی جامہ پہنانا ممکن نہیں ہے۔ رسالے کے دوسرے مضامین میں مسائل اردو کے تئیں آپ حضرات کی سنجیدہ کوششوں اور جذبات کا گہرا نقش حسبِ سابق موجود ہے۔

□□□

سہ ماہی **فکر و تحقیق** نئی دہلی

(علمی و تحقیقی مجلّہ)

سالانہ خریدار خود بنیے اور دوسروں کو بھی خریدار بننے کی ترغیب دیجیے

زرِ سالانہ : صرف -/100 روپے

ملنے کا پتا : قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 1، آر۔ کے۔ پورم۔ نئی دہلی-110066

ہماری بات

پروفیسر آلِ احمد سرور کے انتقال کے ساتھ ایک پورے عہد کا خاتمہ ہو گیا۔ ہر چند کہ سرور صاحب کی اوّلیں شناخت اردو ادب کے حوالے سے ہے مگر ان کی شخصیت کا یہ محض ایک پہلو ہے۔ ہندستان کی قومی زندگی میں علی گڑھ کا رول ایک طاقت ور دبستانِ فکر کا رہا ہے جس کی تشکیل میں ایک اہم نام سرور صاحب کا بھی ہے۔ سرور صاحب اُس تاریخی تسلسل کے استعارے کے طور پر ابھر کر سامنے آئے جس نے علی گڑھ تحریک کو قومی زندگی کا اہم ستون بنایا۔ سرور صاحب نے اردو کی حد تک پالیسی سازی کو فیصلہ کن انداز میں متاثر کیا۔ اردو اکادمیوں کے قیام سے پہلے اردو کے لیے پالیسی سازی میں معاونت کرنے والا کوئی ادارہ موجود نہ تھا۔ یہ کام سرور صاحب نے تن تنہا انجمن ترقیِ اردو ہند کے پلیٹ فارم سے کیا جہاں سرور صاحب اور انجمن ایک ہی سکے کے دو رخ تھے۔ سرور صاحب کی وجہ سے ہمارے متعدد قومی رہ نما انجمن کا پلیٹ فارم استعمال کرتے رہے۔ 1952 میں ڈاکٹر ذاکر حسین کی دستخطی مہم کے لیے بھی انجمن ترقیِ اردو ہند کے پلیٹ فارم کا استعمال کیا گیا جس میں براہِ راست یا بالواسطہ ہمارے وہ تمام قومی رہ نما شامل تھے جو اردو کو ہندستانی جمہوریت کے ایک مضبوط ستون کے طور پر آزاد ہندستان میں درخشندہ و تابندہ دیکھنا چاہتے تھے۔ سرکاری زبان کے طور پر کشمیر میں اردو کے نفاذ اور فروغ میں بھی سرور صاحب اور شیخ محمد عبداللہ کے مراسم نے اہم رول ادا کیا اور بعد میں سری نگر میں اقبال انسٹی ٹیوٹ جیسا اہم ادارہ بھی ان دو اہم شخصیتوں کی کوششوں سے وجود میں آسکا۔

ہندستان میں اردو زبان اور تعلیم کے فروغ کے لیے کیا جانے والا ایسا کوئی کام نہیں جس پر سرور صاحب کے فیصلہ کن اثرات نہ ہوں۔ گجرال کمیٹی کا قیام اور بعد میں اس کی سفارشات کے نفاذ کے لیے قائم سرور کمیٹی ہندستان میں اردو کی تاریخ کے درخشندہ نقوش ہیں۔

گجرال کمیٹی کی سفارشات میں سے جن کا دائرہ کافی وسیع تھا، ایسی سفارشات کی نشاندہی کے لیے جن کو فی الفور موثر ڈھنگ سے حکومت کا شعبۂ تعلیم نافذ کر سکے، سرور کمیٹی تشکیل دی گئی تھی۔ سرور صاحب نے حکومتِ ہند کی وزارتِ داخلہ، وزارتِ اطلاعات و نشریات، ریلوے بورڈ، الیکشن کمیشن، رجسٹرار جنرل آف انڈیا اور وزارتِ تعلیم کے ذمے دار افسران سے تبادلۂ خیال کر کے فروغِ اردو کے ایجنڈے کی سمت متعین کرنے کے لیے گجرال کمیٹی کی سفارشات کا جو نچوڑ پیش کیا ان کا اعادہ ضروری ہے۔ ان سفارشات کے اہم نکات یہ تھے:

- سہ لسانی فارمولے میں اردو کی موثر شمولیت کے لیے گجرال کمیٹی کی سفارش پر صوبائی حکومتوں کی توجہ دلائی جائے۔
- دہلی میں اردو ذریعہ تعلیم کا ایک کالج قائم کیا جائے اور اس مقصد کے حصول کے لیے اساتذہ کی تربیت کا مناسب انتظام بھی کیا جائے۔
- ایسے علاقوں میں جہاں دس فی صد اردو داں آبادی رہتی ہے، اردو ذریعہ تعلیم کے پرائمری اسکول قائم کیے جائیں۔ دس فی صد سے کم آبادی والے علاقوں میں ذولسانی اساتذہ کا تقرر کیا جائے۔
- اردو کی بیسک تعلیم کے لیے مراسلاتی طرزِ تعلیم کا کورس شروع کیا جائے۔ ایسے کورس ان مرکزی اور صوبائی یونیورسٹیوں میں بھی شروع کیے جائیں جن کے علاقوں میں اردو جاننے والے بستے ہیں۔ اس سلسلے میں یو جی سی کا تعاون بھی حاصل کیا جائے۔
- اہم اردو لائبریریوں اور اداروں کے استحکام کے لیے وزارتِ تعلیم اور وزارتِ ثقافت ان کی مالی معاونت کی اسکیمیں جاری کرے۔
- اردو اساتذہ کی تربیت کے مراکز (سولن اور پٹیالہ کی طرز پر) حیدر آباد، لکھنؤ اور سری نگر میں بھی قائم کیے جائیں۔
- مختلف سطحوں کی تعلیم کے لیے اردو اساتذہ کی ضرورت کے پیشِ نظر پانچ سالہ منصوبوں میں اساتذہ کی ٹریننگ کے مراکز کا معقول انتظام کیا جائے۔
- بہار اور آندھرا پردیش کی طرز پر آئین کی دفعہ 345 کی رو سے مختلف صوبوں میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کے اقدامات کیے جائیں۔
- اردو کی تخلیقات دیوناگری رسمِ خط میں بھی شائع کی جائیں۔
- پبلک نوٹس، فارم اور عوام کے لیے جاری کردہ اطلاعات سرکاری زبان کے علاوہ علاقائی زبانوں میں بھی شائع کی جائیں۔ ان علاقوں میں جہاں اردو کو سرکاری حیثیت حاصل ہے، یہ اطلاعات اردو میں مہیا ہونی چاہئیں۔
- اردو زبان و ادب کا ایک مرکزی ادارہ قائم کیا جائے جس کے تحت اردو

اساتذہ کی ٹریننگ کا مرکز کھولنے کے امکانات کا بھی جائزہ لیا جائے۔

- گجرال کمیٹی کی سفارشات پر عمل در آمد کا جائزہ لینے اور اس پر نظر رکھنے کے لیے ایک مستقل اسٹینڈنگ کمیٹی تشکیل دی جائے۔

کافی عرصہ گزرنے کے بعد جب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان وجود میں آئی اور اکیسویں صدی میں اردو کے فروغ کی پالیسی سازی کرنے کا کام کونسل کے سپرد کیا گیا تو کونسل نے سرور صاحب کی ان سفارشات سے بھی استفادہ کیا ہے۔

اپنی عمر کے آخری برسوں میں سرور صاحب کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ پرائمری اور ثانوی سطح پر اردو کی تعلیم کے بغیر اردو کا فروغ کسی طرح ممکن نہیں اور اس کے لیے وہ قومی اردو کونسل سے موثر پالیسی سازی کرانا چاہتے تھے۔ اسی شمارے کے آئندہ صفحات میں ہم سرور صاحب کی وہ اپیل شائع کر رہے ہیں جو "اردو دنیا" کے جنوری 2001 کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔

محمد حمید اللہ بھٹ

قومی اردو کونسل کی نئی کتاب شائع ہو گئی ہے

URDU : Readings in Literary Urdu Prose

by

Gopi Chand Narang

A Text for Students with An Elementary Knowledge of Urdu

(قیمت : 100 روپے)

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

ویسٹ بلاک۔ 1، ونگ نمبر۔6، آر. کے. پورم، نئی دہلی 066 110

محمد اسحٰق جمخانہ والا

گیسٹ کالم

فروغِ اردو اور رضاکار تنظیمیں

یہ اردو جیسی ہمہ گیر اور شیریں زبان کی بدقسمتی ہے کہ 1947 سے پہلے مسلموں اور غیر مسلموں میں مقبول اس زبان کو آزادیِ ہند کے بعد صرف مسلمانوں کی زبان قرار دیا جارہا ہے اور اس کی ترویج و اشاعت کے راستے میں روڑے اٹکائے جارہے ہیں۔ ملک کے دو صوبے جو تقسیم سے قبل اردو کے مراکز تسلیم کیے جاتے تھے وہاں آج اردو پڑھنے اور لکھنے والوں کی تعداد انتہائی قلیل ہے اور رفتہ رفتہ اسے اور کمزور کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ صوبائی حکومتوں کے رو برو بے بس ہونے کی وجہ سے مرکزی حکومت اردو نوازی کے تعلق سے زیادہ سے زیادہ یہی کرسکی ہے کہ اردو کی حمایت و اشاعت کرنے والے اداروں اور جماعتوں کو مالی امداد فراہم کرے۔ ان ناسازگار حالات میں مرکزی اور صوبائی رضاکار تنظیموں کی اب یہ ذمے داری ہے کہ وہ ہر طرح کے مالی، قانونی اور اخلاقی وسائل کو حتی الامکان اردو کی اشاعت و ترقی کے لیے استعمال کریں۔

رضاکار تنظیموں کا منصب اوّل یہ ہونا چاہیے کہ بچوں کو اردو پڑھنا اور لکھنا سکھانے کی ذمے داری لیں۔ اگر سرکاری سطح پر اسکولوں میں اردو کی درس و تدریس کا کوئی انتظام نہیں ہے تو ان تنظیموں کو اردو داں والدین کے تعاون سے انفرادی یا اجتماعی طور پر ایسی اردو کلاسوں کا بندوبست کرنا چاہیے جہاں اردو کی ابتدائی تعلیم ہو۔ اس طرح کی کلاسیں، بچوں میں اردو لکھنے اور پڑھنے کا ذوق و شوق پیدا کرسکتی ہیں۔

آزادیِ ملک کے بعد ہندستانیوں میں ایک عجیب قسم کی یہ ہوا چلی ہے کہ بچوں کو انگریزی میڈیم اسکولوں میں داخل کیا جائے۔ لہٰذا وہ خاندان جن کے گھروں میں اردو کا چلن ہے، اپنے بچوں کو انگریزی میڈیم کے اسکولوں میں بھیج رہے ہیں۔ اس بدعت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے خاندانوں کے بچے دو ایک نسلوں کے بعد اردو سے قطعی نابلد ہو جائیں گے۔ اس ضمن میں رضاکار تنظیموں کو یہ کوشش کرنا چاہیے کہ اُن کے شہر یا قصبے کے اردو داں خاندان اپنے بچوں کو اردو میڈیم کے اسکولوں میں داخل کرائیں۔ اس سلسلے میں اردو والوں کو یہ شکایت بھی ہے کہ اردو میڈیم کے معیاری اسکولوں کا فقدان ہے اور جو اردو اسکول موجود ہیں، اُن میں درس و تدریس کا نظام ناقص ہے۔ اس ضمن میں یہ مناسب بات ہوگی کہ رضاکار تنظیمیں، موجود اردو میڈیم اسکولوں کے معیارِ تعلیم کو بلند کرنے کے لیے ہر طرح کوشاں ہوں۔ دوسرے یہ کہ مذکورہ تنظیمیں اگر اردو کے معیاری اسکول خود ہی جاری کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ والدین اپنے بچوں کو یہاں داخل کرنے میں پس و پیش کریں۔ اس طرح انگریزی میڈیم اسکولوں میں بچوں کو داخل کرنے کا رجحان کم ہو سکتا ہے۔

اردو نواز تنظیموں کو یہ حقیقت واضح طور پر ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اردو کی ہمہ گیر ترقی کے لیے یہ ضروری ہے کہ اردو میں مہارت رکھنے والے لوگوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ یعنی افراد اردو زبان سے اس حد تک واقف ہوں کہ وہ اردو کے معیاری ادب سے لطف اندوز ہو سکیں اور اُن میں ادبی ذوق پیدا ہو۔ اردو کی بقا اور ترقی کے لیے کام کرنے والی جماعتوں میں جذبہ صادق ہو تو یہ امر کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ کتابوں، رسالوں اور اخبارات کی فراہمی کے ذریعے اردو کے معیاری ادب اور اہم کتابوں کو اردو داں حلقوں تک پہنچایا جاسکتا ہے۔

ملک کے وہ ادارے اور تنظیمیں جو مرکزی یا صوبائی حکومتوں سے جزوی یا کلّی مالی امداد پاتی ہیں، بیشتر اپنے فرائض کی انجام دہی میں ناکام رہتی ہیں۔ اردو زبان و ادب کی اشاعت و توسیع کا کام کرنے والے یہ ادارے بے عملی، عدم تحرک، اور گروہ بندی کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ اردو کے چند ادیبوں کی مالی امداد کر کے یا شاعری یا افسانوں کے مجموعوں کی اشاعت میں جزوی مالی حصہ لے کر اس قبیل کے ادارے خود کو مطمئن تو کر سکتے ہیں لیکن اردو زبان اور ادب کی کوئی ٹھوس خدمت نہیں کرتے۔ ضرورت اس کی ہے کہ اس قبیل کے اردو ادارے زیادہ فعال ہوں اور ایسے ٹھوس اور مفید پروگراموں پر عمل پیرا ہوں جو درحقیقت اردو زبان و ادب کا ذوق و شوق پیدا کریں۔

اتر پردیش اور بہار جیسے صوبوں میں جہاں بعض سیاسی وجوہ کی بنا پر اردو کی تعلیم و تدریس پر منفی اثرات پڑے ہیں، کوشش یہ کی جارہی ہے کہ دینی مدرسوں کے ذریعے اردو کی تعلیم کے پروگرام کو آگے بڑھایا جائے۔ دینی مدرسوں میں اردو کی بنیادی تعلیم اس لیے ضروری سمجھی جاتی ہے کہ مسلمانوں کا مذہبی اور تہذیبی سرمایہ اسی زبان میں محفوظ ہے۔ ایک مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مدرسوں میں پڑھائی جانے والی اردو کا معیار تعارفی سطح کا ہوتا ہے۔ اس سے زبان و ادب کے مطالعے کا ذوق پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ دینی مدارس کے نصابوں میں اردو کی بعض اعلیٰ شعری و نثری تخلیقات کو چند پابندیوں کی وجہ سے جگہ نہیں دی جاتی۔ ان حقائق کی بنا پر مدارس پر اس بات کے لیے تکیہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اردو کی ترقی کے لیے کسی

ٹھوس پروگرام پر عمل کر سکیں گے۔ اس مقصد کے پیشِ نظر مدارس کے نصاب میں اُن معیاری ادبی تخلیقات کو بھی شامل کیا جانا چاہیے جو مدارس کے طریقۂ کار سے متحارب نہ ہوں۔

اردو مشاعرے صدیوں سے مقبول رہے ہیں۔ ان مشاعروں میں اردو داں حضرات کے علاوہ ایسے صاحبِ ذوق افراد بھی شرکت کرتے ہیں جو اردو لکھ پڑھ نہیں سکتے لیکن شعر و شاعری سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ مختلف ادبی تنظیموں کو چاہیے کہ وہ کثرت سے شعری محفلیں برپا کریں تاکہ غیر اردو داں طبقے میں اردو کا ذوق پیدا ہو اور وہ دوبارہ اردو پڑھنے لکھنے کی جانب مائل ہو۔

آج ہمارے ملک میں اردو کے تعلق سے جو حالات ہیں ان کے پیشِ نظر رضاکار تنظیموں پر یہ اہم ذمّے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مقامی اور ملکی سطح پر چھوٹے بڑے ٹھوس پروگرام بنا کر ان پر خلوص سے عمل پیرا ہوں تاکہ ہندستان میں اردو کا مستقبل تابناک ہو۔

□□□

Chairman, Anjuman-e-Islam,
Dadabhoi Nauroji Road, Mumbai-400001

कौमी काउन्सिल बराए फ़रोग़-ए उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

Ministry of HRD, Dept. of Secondary & Higher Education, Govt. of India
West Block-1, R.K. Puram, New Delhi-110 066
Ph 6109746, 6169416 Fax: 6108159 E-mail: urdueducation@hclinfinet.com

خوش خبری

کتابوں کی نمائش و فروخت
آپ کے شہر آپ کے گاؤں میں

خوش خبری

اردو زبان و ادب کے فروغ کے سلسلے میں قومی اردو کونسل کا اگلا قدم موبائل وین کا انتظام ہے تاکہ کونسل کی مطبوعات دور دراز علاقوں میں بھی آسانی سے دستیاب ہو سکیں۔ اس وین میں قومی اردو کونسل اور نیشنل بک ٹرسٹ کی اردو کی تمام مطبوعات (ہر موضوع پر سبھی عمر کے لوگوں کے لیے) نمائش و فروخت کے لیے رکھی جائیں گی۔ یہ وین اپنے پہلے مرحلے میں اتر پردیش کے تقریباً ان سبھی علاقوں میں جائے گی، جہاں اردو پڑھنے والے کثیر تعداد میں ہیں۔ پروگرام حسبِ ذیل ہے۔

11 تا 13 مارچ	سہارنپور	26 تا 28 مارچ	مراد آباد
13 تا 16 مارچ	دیوبند	29 تا 31 مارچ	رامپور
17 تا 19 مارچ	مظفر نگر	کیم تا 3 اپریل	بریلی
20 تا 22 مارچ	میرٹھ	4 تا 6 اپریل	بدایوں
23 تا 25 مارچ	امروہہ	7 تا 10 اپریل	شاہجہاںپور

نوٹ: شناختی کارڈ دکھانے پر اساتذہ اور طلبہ کے لیے 40% رعایت

آلِ احمد سرور گاہے گاہے باز خواں

اردو دوستوں سے ایک اپیل

ہماری آزادی کو ترپن سال ہو گئے۔ اس عرصے میں جو سب سے زیادہ افسوس ناک حقیقت سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ ان ریاستوں میں جن کی سرکاری یا علاقائی زبان ہندی ہے، اردو کی ابتدائی تعلیم کا سرے سے انتظام نہیں ہے یا قطعی ناکافی ہے۔ مثلاً سب سے بڑی ریاست اتر پردیش میں جہاں 1991ء کی مردم شماری کے مطابق تقریباً سوا کروڑ افراد کی زبان اردو ہے، موجودہ اطلاعات کے مطابق ایک بھی ابتدائی اسکول اردو ذریعہ تعلیم کا سرکاری نظام کے تحت نہیں ہے۔ مدھیہ پردیش، راجستھان، ہریانہ اور دلی میں غالباً چند ایسے اسکول ہیں۔ دلی کی حکومت نے اردو، پنجابی کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینا طے کر لیا ہے اور امید ہے کہ جلد اردو کی تعلیم کا کماحقہٗ انتظام عمل میں آ جائے گا۔ تعجب یہ ہے کہ اتر پردیش جیسی بڑی ریاست میں سرکاری طور پر اردو کے ذریعے ابتدائی تعلیم کے لیے ایک بھی اسکول نہیں ہے۔ بہار میں کیوں کہ اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہو گیا ہے اس لیے اردو کی ابتدائی تعلیم کا خاصا انتظام موجود ہے اور ثانوی تعلیم کی سہولت بھی اس قدر حاصل ہے کہ کماحقہٗ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ مغربی بنگال، مہاراشٹر، کرناٹک، تامل ناڈو، کیرالا میں جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے، اردو میں ابتدائی تعلیم کا انتظام میسر ہے۔ بعض جگہوں پر دفتری نظام کی عدم توجہی سے دقتیں پیش آیا کرتی ہیں۔ مہاراشٹر کے متعلق تو یہاں تک اطلاعات ملی ہیں کہ اگر کسی اسکول میں ذریعہ تعلیم مراٹھی ہے تو اردو میں ابتدائی تعلیم کے خواہاں طالب علم کو اردو لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے۔ آزادی کے بعد کہا جاتا ہے کہ اردو وادب کی بڑی ترقی ہوئی ہے اور یونیورسٹیوں میں اردو کے شعبوں کی تعداد کے اضافے کو اس بات کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ پھر پریس رجسٹرار کی رپورٹ کا حوالہ دیا جاتا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندی کے بعد سب سے زیادہ اخبار اردو میں نکلتے ہیں اور اسے اردو زبان وادب کی ترقی کا ثبوت سمجھا جاتا ہے۔ حالاں کہ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جب تک زبان کی بنیاد مستحکم نہیں ہوگی، ادب کا فروغ ممکن نہیں ہے۔ اس لیے جب تک اردو زبان کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم کا کماحقہٗ انتظام نہیں ہوتا، اس وقت تک یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ اردو زبان وادب، ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ نہ صرف ہندی ریاستوں میں سوائے بہار کے، یا تو ابتدائی زبان کا انتظام ہی نہیں ہے جیسے اتر پردیش میں، یا انتظام قطعی ناکافی ہے۔ یہ جو پہلے شرط لگائی گئی تھی اور اس پر پورا عمل نہیں ہوا کہ اگر ایک اسکول میں چالیس اور ایک سیکشن میں دس طالب علم اردو میں تعلیم کے خواستگار ہوں، تو وہاں اردو سیکشن کا انتظام کیا جائے۔ یہ شرط نہ صرف بے جا تھی بلکہ اس کے عمل درآمد میں اتنی موشگافیاں کی گئیں کہ وہ قریب قریب عضوِ معطل ہو کر رہ گئی۔

دراصل حقیقت یہ ہے کہ تعلیمی اور تہذیبی اور قومی نقطۂ نظر سے مادری زبان میں ابتدائی تعلیم ایک ایسا بنیادی پتھر ہے جس کے بغیر ساری ثانوی اور اعلا تعلیم کی عمارت کجی کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے۔ اردو دوستوں کو اس پر بغلیں بجانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اعلا تعلیم میں اردو کے ضمن میں بہت ترقی ہوئی ہے۔ اوّل تو اعلا تعلیم کا تعلق سارے عوام سے نہیں ہے اور دوسرے موجودہ صورتِ حال ایک سراب ہے اور عنقریب یہ صورتِ حال بھی باقی نہیں رہے گی۔ یہ تو بالکل صحیح ہے کہ اقلیتوں کے لیے ابتدائی اور ثانوی سطح پر مادری زبان کے ذریعے تعلیم کا انتظام کماحقہٗ حکومت کی ذمے داری ہے۔

اب تک اردو دوستوں نے صرف حکومتوں کو ہی توجہ دلائی ہے اور یہ بجا ہے، تاہم یہ کافی نہیں ہے۔ اگر حکومت اپنی ذمے داری پوری نہ کرے تب بھی ہمیں صرف ماتم و فریاد اپنی ذمے داری سے سبک دوش نہیں کرتا بلکہ ہمیں خود بھی عملی قدم اٹھانا ہوگا۔ اگر اردو دوستوں کو واقعی اپنی زبان سے محبت ہے تو انھیں بڑے پیمانے پر ایک ایسی مہم چلانی ہوگی جس سے پہلے مرحلے پر اردو میں ابتدائی تعلیم کا انتظام ہو اور دوسرے مرحلے پر ثانوی تعلیم میں سہ لسانی فارمولے کے ذریعے اردو تعلیم کو آگے بڑھایا جا سکے۔ اگر آٹھویں جماعت تک اردو کی تعلیم کا کماحقہٗ انتظام ہو جائے تو ہائر سکنڈری کی تعلیم تک کی راہیں خود بخود استوار ہو جائیں گی اور اردو دوستوں کے بچے اپنی شخصیت کی صحیح خطوط پر تعمیر کر سکیں گے۔ ان کا ذہن کھلے گا اور علوم اور دیگر زبانوں میں بھی دسترس حاصل کر سکیں گے۔ عوام کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ چھوٹی عمر میں بھی اپنے بچوں کو کام پر لگانے کے لیے مجبور ہوتے ہیں۔ اس لیے حکومت کی

● "اردو دنیا" جنوری 2001 کے صفحات سے پروفیسر آلِ احمد سرور کی یہ اپیل اردو تعلیم کے کاز کے لیے ان کی فکر کا احاطہ کرتی ہے۔ خراجِ عقیدت کی علامت کے طور پر اس اپیل کو دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔

طرف سے جن اسکیموں کا اعلان ہوتا ہے، ان سے وہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ مہاتما گاندھی نے اس صورتِ حال کا یہ حل تجویز کیا تھا کہ کسی ایک پیشے کی تعلیم کو مرکزی حیثیت دی جائے اور مدرسے کو اس طرح خود کفیل بنانے کی سعی کی جائے۔ افسوس یہ ہے کہ حکومت نے تیسرے پنج سالہ منصوبے کے بعد بنیادی تعلیم کو خیر باد کہہ دیا۔ ضرورت ہے کہ اس اصول کو کہ ایک پیشے کی تعلیم ابتدائی تعلیم کا لازمی جزو ہو، پھر سے نافذ کیا جائے۔ آئندہ جو اسکول کھولے جائیں ان میں ایک پیشہ مثلاً کتائی، بنائی، کڑھائی، گتے کا کام، لکڑی کا کام وغیرہ لازمی طور پر شامل ہوں۔ ابتدائی منزل پر میرے نزدیک صرف مادری زبان اور علاقائی زبان پر زور دینا چاہیے۔ کسی کلاسیکی زبان کو خواہ وہ کتنی ہی مقدس کیوں نہ ہو، اسے مادری زبان یا علاقائی زبان پر فوقیت نہیں دی جاسکتی۔ ثانوی سطح پر تین زبانوں کی تعلیم سے گھبرانے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔

لہٰذا میری پرزور اور مخلصانہ اپیل یہ ہے کہ اردو کو جو ایک قومی زبان ہے اور **1991**ء کی مردم شماری کے مطابق ہندستانی قوم کے ساڑھے چار کروڑ افراد اسے بولتے ہیں، ابتدائی اور ثانوی درجے پر بحیثیت ذریعہ تعلیم اردو کا خود انتظام کرنے کی ذمّے داری ہمیں اٹھانی چاہیے۔ حکومتِ وقت پر تکیہ کرلینا ہماری کوتاہی ہوگی۔ اس غرض سے پہلے مرحلے میں ہر ریاست کے صدر مقام پر اردو دوستوں کی کمیٹیاں قائم ہوں اور اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا جائے کہ ہر مذہب و ملت کے اردو دوست کمیٹی میں شریک ہوں اور ہر کمیٹی پنج سالہ پروگرام بنائے اور اپنے اخراجات خود فراہم کرنے کی سبیل کرے۔ یہ کام اتنا دشوار نہیں ہے کہ ہر ضلع میں ایک کمیٹی کا قیام عمل میں نہ آسکے۔ میں اردو اداروں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ پیش قدمی کریں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ ہمدرد، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ریاستی اردو اکادمیاں، انجمن ترقی اردو (ہند)، غالب انسٹی ٹیوٹ جیسے تمام اداروں کو ایسے اسکول بھی کھولنے چاہئیں۔

☆☆☆

آل احمد سرور ایک نظر میں

پیدائش	:	9/ستمبر 1912ء (بدایوں)
ابتدائی تعلیم	:	پیلی بھیت، غازی پور اور آگرہ
اعلیٰ تعلیم	:	1932ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخل ہوئے۔ 1934ء میں انگریزی میں ایم۔اے۔ اور 1936ء میں اردو میں ایم۔اے۔ کیا۔
پیشہ	:	1934ء میں شعبۂ انگریزی علی گڑھ یونیورسٹی میں لیکچرر ہوئے اور 1936ء میں شعبۂ اردو سے منسلک ہوگئے۔ 1946ء میں شعبۂ اردو لکھنؤ یونیورسٹی میں ریڈر ہوئے۔ 1955ء میں شعبۂ اردو علی گڑھ یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر ہوئے اور 1965ء میں انجمن ترقی اردو ہند کے جنرل سکریٹری مقرر ہوئے۔
اہم تصانیف	:	سلسبیل (شعری مجموعہ) 1935ء، تنقیدی اشارے 1942ء، نئے اور پرانے چراغ (تنقید) 1946ء، تنقید کیا ہے؟ (تنقید) 1947ء، ادب اور نظریہ (تنقید) 1954ء، سرسید: ایک تعارف 1956ء، نظر اور نظریے 1973ء، مسرت سے بصیرت تک (تنقید) 1974ء، عرفانِ اقبال (اقبالیات) 1977ء، اقبال اور ان کا فلسفہ (اقبالیات) 1977ء، اقبال، نظریہ اور شاعری (اقبالیات) 1979ء، خواب باقی ہیں (آپ بیتی) 1980ء، ہندستان کدھر؟ 1983ء، اردو اور ہندستانی تہذیب 1985ء، جدید دنیا میں اسلام 1983ء، اردو میں دانشوری کی روایت 1985ء، خواب باقی ہیں (آپ بیتی) 1991ء، اقبال، فیض اور ہم 1985ء، اقبال کی معنویت 1986ء، فکرِ روشن 1994ء، کچھ خطبے کچھ مقالے 1994ء، دانشورِ اقبال 1994ء، پہچان اور پرکھ 1990ء، خواب اور خلش (شعری مجموعہ) 1991ء، جدیدیت اور ادب (مرتبہ) 1966ء
ادارت	:	علی گڑھ میگزین (1932ء)، سہیل (خاص نمبر) 1936ء، اردو ادب (1950ء سے 1971ء تک)، ہماری زبان 1956ء
اعزازات	:	غالب مودی ایوارڈ 1982ء، یوپی اردو اکادمی ایوارڈ 1954ء، 1973ء؛ دلّی اردو اکادمی ایوارڈ، ساہتیہ اکادمی ایوارڈ 1974ء، پدم بھوشن 1992ء، صدرِ پاکستان کا طلائی تمغہ 1978ء، اقبال سمان 2001ء۔ 1990ء سے مسلم یونیورسٹی میں پروفیسر ایمریٹس
انتقال	:	9/فروری 2002ء (دہلی) تدفین (علی گڑھ)

گوپی چند نارنگ

اردو کی بنیادی شناخت رسم الخط ہے، اس کا تحفظ لازمی ہے

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا شمار برصغیر کے نہایت اہم دانش وروں میں ہوتا ہے۔ ان کی شخصیت کے کئی حوالے ہیں اور ہر حوالہ معتبر ہے۔ اردو کے ممتاز نقاد، ماہر لسانیات اور محقق کی حیثیت سے وہ اپنی نمایاں شناخت رکھتے ہیں۔ انھیں اردو زبان و ادب سے والہانہ لگاؤ ہے، اگر انھیں اردو زبان کا عاشق صادق کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ بھارت میں اردو زبان کو استحکام دلانے کے سلسلے میں ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ پچھلے کئی برسوں سے مابعد جدید فکریات کو متعارف کرانے کے سلسلے میں نہایت سنجیدگی کے ساتھ کوشاں ہیں۔ انھوں نے نئی ادبی تھیوری کی نظریاتی بنیادوں سے بحث کر کے مابعد جدید فکریات اور ادبی تنقید کے رشتے کو اجاگر کیا ہے۔ اس سے قبل اسلوبیاتی تنقید پر بھی انھوں نے خصوصی توجہ دی تھی۔ لسان اور فلسفۂ لسان، نارنگ صاحب کی دل چسپی کا اہم ترین موضوع ہیں۔ جدید ادب اور خصوصاً جدید اردو فکشن سے بھی ان کا گہرا تعلق ہے۔ وہ کردار ہی کے نہیں، گفتار کے بھی غازی ہیں۔ بقول مشفق خواجہ "وہ کہیں اور سنا کرے کوئی"۔ ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے بھی ان کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پوری اردو دنیا ان کے کام اور نام سے واقف ہے۔ انھوں نے مختلف ممالک کے دورے کیے اور جہاں بھی گئے اردو سے اپنی محبت کا ثبوت فراہم کیا۔ مختلف طریقوں سے ان کی علمی، ادبی اور تعلیمی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ 1987 میں "الفاظ" علی گڑھ کا گوپی چند نارنگ نمبر شائع ہوا، جسے نور الحسن نقوی نے مرتب کیا تھا۔ "گوپی چند نارنگ۔ حیات و خدمات" کے عنوان سے ڈاکٹر حامد علی خاں نے ایک کتاب لکھی جو 1995 میں دہلی سے شائع ہوئی، اسی سال "گوپی چند نارنگ اور ادبی نظریہ سازی" کے عنوان سے ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی کتاب منظر عام پر آئی۔ "ڈاکٹر گوپی چند نارنگ: شخصیت اور ادبی خدمات" کے موضوع پر "کتاب نما" کا خصوصی نمبر شائع ہوا۔ 1963 میں حکومت اتر پردیش کی جانب سے "غالب پرائز" عطا کیا گیا۔ 1977ء میں صدر پاکستان کی جانب سے اقبال صدی کے موقع پر "تمغۂ امتیاز" سے سرفراز ہوئے۔ 1990 میں صدر جمہوریۂ ہند کی جانب سے "پدم شری" کا قومی اعزاز ملا۔

پچھلے دنوں "کاروانِ فکر و فن" شمالی امریکا کی جانب سے نیویارک، واشنگٹن، شکاگو اور ٹورنٹو چار بڑے شہروں میں "جشن گوپی چند نارنگ" کا اہتمام کیا گیا تھا، جس میں ہم بھی مدعو تھے۔ ہم نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈاکٹر صاحب سے انٹرویو کے لیے درخواست کی، جو انھوں نے بلا تردد قبول کر لی۔ ہم یہاں، ان سے ہونے والی گفتگو سوال و جواب کی صورت میں پیش کر رہے ہیں۔

— ملاقات : اختر سعیدی

س: سب سے پہلے تو آپ ہمارے قارئین کو اپنے حالات زندگی اور ادبی پس منظر سے آگاہ فرمائیں؟

ج: میں بلوچستان میں پیدا ہوا۔ میرے والد بلوچستان میں ریونیو سروس میں افسر خزانہ تھے۔ جب تقسیم ہند ہوئی تو اس وقت میری عمر 16، 17 سال ہوگی۔ میں تقسیم سے کچھ پہلے ہی دہلی میں منتقل ہو گیا تھا، جہاں قرول باغ میں رہائش اختیار کی اور دہلی کالج میں داخلہ لے لیا۔ بلوچستان میں تعلیم کا معقول انتظام نہیں تھا۔ میں نے میٹرک کیا تھا گورنمنٹ ہائی اسکول لیہ، ضلع مظفر گڑھ سے، جہاں میری پہلی پوزیشن آئی تھی۔ پھر والد صاحب نے مجھے اعلیٰ تعلیم کے لیے لائل پور (فیصل آباد) بھیجا، لیکن وہاں داخلے ختم ہو چکے تھے۔ میں وہاں سے سیدھا دہلی چلا گیا اور دلّی کالج میں داخلہ لے لیا، جہاں سے میں نے اردو میں ایم۔ اے۔ کیا۔ ادبی اور تاریخی حوالے سے بھی اس کالج کو مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہ وہ کالج ہے جہاں بابائے اردو مولوی عبدالحق نے بھی تدریسی فرائض انجام دیے تھے۔ 1857 کی دار و گیر کے بعد انگریز سرکار نے مغلوں کو ایک طرح سے سزا دی تھی اور ثقافتی پایۂ تخت دہلی سے لاہور منتقل کر دیا تھا۔ چنانچہ اردو ادب کا سب سے بڑا مرکز پنجاب ٹھہرا۔ مخزن کی تحریک ہو یا جدید شاعری کے سلسلے میں حالی اور آزاد کی تحریک، سب کا مرکز لاہور تھا۔ اردو کی جڑیں، ایک ثقافتی زبان کے طور پر پورے شمال مغربی ہندستان میں پھیل چکی تھیں۔ اس وقت جو خطہ پاکستان کہلاتا ہے، یعنی پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان، اس کی جو عوامی زبانیں ہیں مثلاً پنجابی، سندھی، بلوچی، پشتو، سرائیکی، براہوی، ان کا چلن اپنی جگہ پر، جڑوں کا ہرا رہنا بھی برحق، لیکن تہذیبی اور علمی زبان اردو ہی ہے۔ تقسیم سے ایک صدی پہلے سے ایسا تھا۔ وہ تمام علاقے جہاں میری ابتدائی تعلیم ہوئی، گھر میں بولی جانے والی زبان خواہ کچھ بھی ہو لیکن بول چال، کاروبار، اور عوامی زبان، نیز عدلیہ کی زبان اردو ہی تھی۔ میری مادری زبان اردو نہیں ہے۔ میرے والد پشتو بولتے تھے، ان کا لباس بھی پٹھانوں جیسا تھا۔ اردو سے ایک ثانوی زبان کے طور پر میرا ایسا رابطہ رہا ہے جیسے یہ میری مادری زبان ہے، میری اصل

زبان ہے۔ واضح رہے زبانوں سے جو رشتہ ہوتا ہے، وہ منطقی نہیں ہوتا۔ اردو کی طرف میرا دل اس طرح کھنچتا ہے گویا یہ میری گھٹی میں پڑی ہو۔ اردو میں جو حسن ہے، کشش ہے، جو شعری اور جمالیاتی بالیدگی ہے، وہ کسی اور زبان میں نہیں۔ ہندستان کے تمام طبقوں، تمام مذہبوں، تمام ملتوں اور تمام علاقوں کو اردو نے جس طرح ایک لڑی میں پرو دیا ہے، اس کی بھی دوسری مثال ملنی مشکل ہے۔ اردو کا زمانہ امیر خسرو سے لے کر اقبال، فیض اور فراق تک پھیلا ہوا ہے اور مسلسل یہ سفر جاری ہے۔ اس کو سمجھنا، اس کے رشتوں کی معنویت کی گہرائی میں اترنا، اس کے بھیدوں اور رازوں کو پانا اور انھیں قارئین اور سامعین کے ساتھ شیئر کرنا، یہ میری ہمیشہ آرزو رہی ہے۔ اردو میرے لیے محض ایک زبان نہیں ہے، ایک انداز نظر اور اسلوب زیست بھی ہے۔ اردو ہماری تہذیب کا وہ ہاتھ ہے، جس سے ہمارا تشخص قائم ہوتا ہے، جس سے ہماری شناخت ہوتی ہے۔ یہ کم و بیش عشق کا رشتہ ہے، تسلیم خودی کا سفر ہے، اثبات خودی کا نہیں۔

س: بھارت میں اردو کی موجودہ صورت حال کے تعلق سے کچھ ارشاد فرمائیں؟

ج: شمالی ہندستان میں اردو کے تعلق سے کافی مشکلات ہیں۔ خاص طور سے ان صوبوں میں جہاں کی سرکاری زبان ہندی ہے۔ بعض ریاستوں میں اردو کی ابتدائی تعلیم کا انتظام جیسا ہونا چاہیے ویسا نہیں ہے۔ یہ صورت حال پاکستان بننے کے بعد پیدا ہوئی، تقسیم سے پہلے ایسا نہیں تھا۔ اس سے قبل اردو ہر جگہ موجود تھی۔ اب شمالی ہند میں انگریزی کے ساتھ ہندی اور سنسکرت بھی پڑھائی جارہی ہے۔ سہ لسانی فارمولے کا ذکر کیا جاتا ہے، لیکن ایمان داری سے اردو کے لیے اس میں جگہ نہیں نکالی جاتی۔ اردو کے تعلق سے بٹوارے کے فوراً بعد جو تعصب پیدا ہوا تھا، وہ پچھلے پندرہ بیس برسوں میں کچھ کم ہوا ہے۔ اردو، ہندی تخلیقی سطح پر قریب آئی ہیں، لیکن تعلیمی سطح پر جو نقصان ہو چکا ہے، اس کی تلافی ہونا ابھی باقی ہے۔ جنوبی ہند میں خصوصاً کرناٹک، مہاراشٹر، حیدر آباد، آندھرا پردیش، تامل ناڈو کے مدراس اور ویلور ضلع میں اردو کی حالت نسبتاً بہتر ہے۔ اردو پورے ملک میں بول چال کی زبان سے قریب تر ہے۔ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ اردو کو اس کے اپنے رسم الخط میں باقی رکھنے کا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو اردو کا نقصان تو ہوگا ہی، ہندستان کی ملی جلی تہذیب کا بھی نقصان ہوگا۔

س: آپ کی نگاہ میں اردو رسم الخط کی کیا اہمیت ہے؟

ج: کوئی بھی زبان پوری طرح سیکھنی ہو تو اس کی روح میں اترنے اور اس کے سرمائے سے پوری طرح استفادہ کرنے کے لیے رسم الخط کا جاننا ضروری ہے۔ اردو، ہندی کا رشتہ ایسی قربت کا ہے کہ بول چال کی سطح پر دونوں زبانیں قریب ہیں، لیکن ان کے درمیان جو فرق ہے وہ بالخصوص ادبی اور تحریری زبان سے واضح ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں آزادی کے بعد ایک فضا یہ بنی ہے کہ اردو تو وہی ہے جو بولی جارہی ہے، پھر اردو کے الگ حق کی کیا ضرورت ہے۔ اسی وجہ سے اردو فلموں پر بھی ہندی کا لیبل لگایا جارہا ہے۔ دیکھا جائے تو یہ اردو کے ساتھ ناانصافی ہے۔ اگر اردو، ہندی کے بہت قریب ہے تو یہ ہماری طاقت ہے، اس پر خوشی کا اظہار ہونا چاہیے، نہ کہ اس سے اردو کو نقصان پہنچنا چاہیے۔ یہ اچھی بات ہے کہ اردو، ہندی کو قوت بہم پہنچاتی ہے۔ اردو ہندی کی الگ الگ پہچان بھی ہے۔ ہندستان میں ہر زبان کی الگ الگ پہچان ہے تو اردو کی الگ پہچان کا بھی تحفظ ہونا چاہیے۔ اسی لیے میں رسم الخط پر زور دیتا ہوں کہ اردو والوں کو ان کے اپنے رسم الخط میں اردو پڑھنے کی سہولتیں فراہم کی جائیں۔ اگر دوسری زبانوں والے ہمارے ادب کو دیوناگری میں پڑھتے ہیں تو وہ ان کا مسئلہ ہے، جس کا تعلق تہذیبی ضرورتوں سے ہے اور ہمیں اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں۔ اگر اردو کے قارئین کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے تو وہ صرف اس لیے کہ اردو ادب میں اتنی کشش ہے کہ دوسرے اسے پڑھنا چاہتے ہیں۔ اردو کو اس کا فائدہ پہنچنا چاہیے نقصان نہیں۔ بہر حال اردو کی اپنی شناخت کے لیے، اس کے اپنے رسم الخط کا باقی رہنا بہت ضروری ہے۔ رسم الخط کے بغیر کوئی زبان زندہ نہیں رہ سکتی۔

س: اردو کے سرکاری اداروں کی کارکردگی سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

ج: میں بالکل مطمئن نہیں ہوں۔ خاص طور سے صوبائی اکادمیوں میں ٹھوس کام بہت کم ہو رہا ہے۔ شرم کی بات ہے کہ سربراہوں کے تقرر زیادہ تر قابلیت کی بنا پر نہیں، سیاسی جوڑ توڑ کی بنا پر کیے جاتے ہیں۔ اکادمیاں اردو کے نام پر پیسہ ضائع کرنے کے ادارے ہیں اور زیادہ تر فضول قسم کے باتصویر رسالے نکالتی ہیں، جن میں حکام اور وزیروں کی تصاویر چھاپی جاتی ہیں۔ ان بے ہودگیوں سے اردو کے فروغ میں کوئی مدد نہیں ملتی۔ ہندستان میں اردو کے نام پر جتنی اکادمیاں قائم کی گئی ہیں، اتنی اکادمیاں تو شاید ہندی کے نام پر بھی نہیں ہوں گی۔ ان کا مجموعی بجٹ کروڑوں روپے کا ہے۔ ہماری فوری ضرورت ہے کہ اردو کے لیے غیر سرکاری سطح پر شبینہ کلاسیں شروع کی جائیں یا آخر ہفتہ پر بچوں کو زیادہ سے زیادہ اردو پڑھائی جائے۔ غریب اور باصلاحیت طالب علموں کو وظائف دیے جائیں، انھیں کتابیں فراہم کی جائیں۔ اعلیٰ تعلیم اور مقابلے کے امتحانات کے لیے اردو طلبہ کو دوسرے علوم میں بھی تربیت دی جائے تاکہ ہمارے طلبا سروسز اور بزنس میں دوسری زبان کے طلبا کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر آگے بڑھ سکیں۔ ریاستی اردو اکادمیاں، جو کرنے کے کام ہیں، وہ نہیں کرتیں اور جو نہ کرنے کے کام ہیں، وہ کرتی ہیں۔ البتہ جہاں کہیں کسی معقول چیئر مین یا سکریٹری کا تقرر

ہو جائے تو وہاں تھوڑے دنوں کے لیے کام کا نظام ٹھیک ہو جاتا ہے۔ کچھ دن کے بعد صورت حال جوں کی توں ہو جاتی ہے۔ حال ہی میں قومی اردو کونسل نے کمپیوٹر سینٹر چلانے کی مہم شروع کی ہے، جس سے ہزاروں بچے اور بچیاں کمپیوٹر کی تربیت پا کر اردو کو روزی روٹی سے جوڑ رہے ہیں، جس کی ضرورت ہے، ورنہ انگریزی سب کو نگل جائے گی۔ قومی اردو کونسل، اردو، عربی اور فارسی کا کام کرنے والی رضاکار تنظیموں کو بھی لاکھوں روپے کی مالی امداد دیتی ہے اور اردو کتابوں کی حوصلہ افزائی کے لیے بھی مالی تعاون کرتی ہے۔ اردو صحافت کی مدد کے لیے قومی اردو کونسل نے "یو این آئی" سے اردو نیوز سروس شروع کرائی ہے۔ نیز قومی اردو کونسل نے خط و کتابت کورس یا فاصلاتی نظام کے وسیلے سے ہزاروں طلبا کو ہندی اور انگریزی کے ذریعے اردو رسم الخط سکھانے کے پروگرام کا بھی آغاز کیا ہے۔ قومی اردو کونسل کے اشاعتی پروگراموں میں اردو ڈکشنری، تاریخ ادب اردو اور اردو انسائیکلوپیڈیا جیسے بڑے منصوبے شامل ہیں، جن میں سے کچھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ دیگر مطبوعات کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ چلڈرن بک ٹرسٹ کے تعاون سے حال ہی میں سو سے زیادہ کتابیں چھاپی گئی ہیں۔ دوسرے اداروں میں ساہتیہ اکادمی، نیشنل بک ٹرسٹ اور پبلی کیشنز ڈویژن میں بھی اردو کے کام کی رفتار حوصلہ افزا ہے۔

س: ہندستان میں اردو صحافت کا معیار کیسا ہے، کیا وہ جدید چیلنجز کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے؟

ج: اردو صحافت کے معیار پر، اردو کی گرتی ہوئی تعلیمی حالت کا اثر پڑا ہے۔ بٹوارے سے بھی اردو اخبارات کے قارئین کی تعداد متاثر ہوئی ہے۔ ملک میں زبان کی جو مجموعی صورت حال ہے، اردو صحافت اس سے بچ نہیں سکتی۔ اخباروں کی تعداد پہلے چار سو سے زائد تھی، اب صرف 138 ہے۔ ادبی رسالے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں، لیکن اعداد و شمار چار سو سے زیادہ تعداد بتاتے ہیں۔ اردو اخبارات کا ڈھانچہ بہت کمزور ہے، سیاسی منظر نامہ اور بھی تکلیف دہ ہے۔ ان حالات میں اردو صحافت کی ذمے داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ اردو اخباروں کو اپنی زندگی کے لیے جدوجہد کرنی ہے اور معیار کا بھی تحفظ کرنا ہے۔ آج سے پچیس، تیس سال پہلے نہ کمپیوٹر کمپوزنگ تھی اور نہ انٹرنیٹ کے ذریعے خبر رسانی کی ایسی سہولتیں کہ دو چار سیکنڈ کے اندر اندر آپ ساری دنیا سے جڑ جاتے ہیں۔ ڈی ٹی پی نے طباعت کے کام کو بے حد آسان کر دیا، لیکن کمپیوٹر انگریزی کے سوا، دوسری زبانوں کو نگل بھی رہا ہے، خطرات بھی بڑھ گئے ہیں، سیاسی قدروں کا بھی زوال ہوا ہے، تہذیبی قدروں پر سوالیہ نشان لگ گیا ہے۔ بٹوارے سے اردو کے قارئین بھی بٹ گئے۔ اقلیت کے مسائل شدید تر ہو گئے ہیں، مذہب کے نام پر تقسیم ہوئی، لیکن مذہب کو بالائے طاق رکھ کر زبان کے نام پر بنگلہ دیش وجود میں آ گیا۔ بالواسطہ طور پر ہی سہی، اردو صحافت ان تمام تاریخی حالات کی زد پر ہے۔ آج ایک ملے جلے سماج میں اُردو والوں کی ترجیحات کیا ہونی چاہئیں۔ ملک کے بقیہ سماج کے تئیں ان کا رویہ اور اکثریت کا رویہ اقلیت کے تئیں، اردو صحافت کو ان مسائل سے بھی الجھنا پڑتا ہے اور اپنے تہذیبی تشخص کا حق بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔ نیز یہ کہ فرقہ واریت، دہشت گردی، قتل و خون اور تشدد کے اس بھیانک دور میں اردو والے کس طرح سے اپنی صالح اقدار کا بھی تحفظ کریں اور اپنی زبان، اپنی تہذیب اور اپنے ملک و قوم کے تئیں بھی حساس رہیں۔ یہ ذمے داری خاصی پیچیدہ اور دقت طلب ہے۔ ان حالات میں اردو کے ان اخبارات کی ذمے داری اور بھی بڑھ جاتی ہے جن کی پشت پر نصف صدی سے زیادہ کی تاریخ ہے اور جن کے قارئین کی تعداد بھی قابل لحاظ ہے۔

س: بھارت اور پاکستان میں تخلیق کیے جانے والے ادب کو موجودہ عہد کے تناظر میں آپ کس طرح دیکھتے ہیں؟

ج: یہ صحیح ہے کہ شاعری کے افق پر حسرت موہانی، جگر مراد آبادی، فیض احمد فیض، مجروح سلطانپوری، مخدوم محی الدین، فراق گورکھپوری کے بعد اور فکشن میں منٹو، بیدی، کرشن چندر، عصمت چغتائی، بلونت سنگھ اور ممتاز شیریں کے بعد اتنے اعلیٰ درجے کا ادب تخلیق نہیں ہوا۔ ویسے ضروری نہیں کہ ہر دور میں اعلیٰ ادب لکھا جائے۔ ادب کی دنیا میں نشیب و فراز آتے ہی رہتے ہیں۔ کبھی تخلیق کی آگ بھڑک اٹھتی ہے تو کبھی اس آتش کدے میں چنگاریاں ٹھنڈی پڑ جاتی ہیں۔ پھر تازہ خیال کا کوئی جھونکا آتا ہے اور آگ جلنے لگتی ہے۔ ضروری نہیں کہ کالی داس کے بعد پھر کالی داس پیدا ہو یا شیکسپیئر کے بعد پھر شیکسپیئر پیدا ہو یا غالب کے بعد غالب۔ سنّاٹے کی بھی اپنی ضرورت ہے۔ ادھر جدیدیت کے بعض انتہا پسند رویوں نے بھی نقصان پہنچایا ہے۔ حالات بھی زیادہ حوصلہ افزا نہیں ہیں، پھر بھی آپ دیکھیں گے کہ اردو ادب کا حال اتنا برا بھی نہیں۔ کم از کم فکشن میں تو اعلیٰ معیار اب بھی باقی ہے۔ میری مراد قرۃ العین حیدر، انتظار حسین، سریندر پرکاش، جیلانی بانو، اسد محمد خاں، محمد منشا یاد، سلام بن رزاق، نیّر مسعود اور ان جیسے فنکاروں سے ہے۔ فکشن میں اعلیٰ ادب کی مثالوں کی کمی نہیں۔ پاکستان میں شاعری کے حوالے سے احمد ندیم قاسمی، جمیل الدین عالی، منیر نیازی، احمد فراز، ظفر اقبال اور افتخار عارف اہمیت رکھتے ہیں۔ طنز و مزاح میں شفیق الرحمان اور کرنل محمد خاں تو اٹھ گئے، مشتاق احمد یوسفی ہیں۔ تنقید میں ڈاکٹر وزیر آغا اور کچھ دوسرے لوگ ہیں۔ ہمارے یہاں غالبیات، اقبالیات اور ادبی نظریات پر بہت کام ہوا ہے۔ تحقیق و تنقید میں ہندستان کا پلہ بھاری ہے۔ امتیاز علی خاں عرشی، قاضی عبدالودود، مالک رام، کالی داس گپتا رضا، گیان چند جین، ڈاکٹر

نثار احمد فاروقی، رشید حسن خاں، آل احمد سرور، شمس الرحمن فاروقی کے کام کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ شاعری میں شہریار، بلراج کومل، محمد علوی، گلزار، ندا فاضلی، صلاح الدین پرویز، شین۔ کاف۔ نظام، ستیہ پال آنند اور عنبر بہرائچی کے نام نمایاں ہیں۔ پھر بھی موجودہ عہد میں منٹو یا بیدی جیسی کوئی شخصیت نہیں اور نہ جوش، فیض، فراق اور اختر الایمان جیسا کوئی شاعر۔ علی سردار جعفری اور مجروح سلطان پوری کے اُٹھ جانے سے یہ کمی اور بھی بڑھ گئی ہے۔ خدا کیفی اعظمی کو سلامت رکھے، ان کا دم بہت غنیمت ہے۔ جاوید اختر کی مقبولیت روز افزوں ہے۔

س: موجودہ صورتِ حال اور اردو کے ساتھ ہوتے ہوئے برتاؤ کو دیکھ کر کیا مستقبل میں اعلیٰ ادب کی تخلیق کا کوئی امکان باقی ہے؟

ج: مستقبل کے بارے میں کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا لیکن اردو کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ اردو برِصغیر سے باہر بھی پھیل رہی ہے۔ کسی بھی وقت، کوئی کارنامہ ظہور پذیر ہو سکتا ہے۔ آج سے 30 سال قبل کون کہہ سکتا تھا کہ کالی داس گپتا رضا سے غالبیات میں اتنا بڑا کارنامہ سرزد ہوگا، یا حیدر آباد دکن میں بیٹھا ہوا ایک معمولی اردو داں، جس کا ادب میں کوئی دعویٰ نہیں ہے، وہ گیان سنگھ شاطر جیسا ناول لکھے گا یا لدھیانہ جیسے غیر ادبی علاقے سے ساحر لدھیانوی، انبالہ سے ناصر کاظمی یا ہوشیار پور سے اردو کو منیر نیازی ملے گا۔ ادب ایک جمہوریت ہے، جس کی سرحدیں کھلی ہوئی ہیں۔ تہذیبوں کی طرح ادب بھی ایک نامیاتی عمل ہے۔ کچھ معلوم نہیں کس شاخ پر کون سا پھل لگے یا کس کیاری میں کون سا پھول کھلے۔

س: ساختیات اور مابعد جدید فکریات دوسرے ادبی نظریوں سے کس اعتبار سے الگ ہے؟

ج: نئی تھیوری ایک مشکل موضوع ہے۔

جس بیابانِ خطرناک سے اپنا ہے گزر
مصحفیؔ قافلے اس راہ سے کم گزرے ہیں

اسے سہل بنا کر چند لفظوں میں بیان کرنا اور بھی مشکل کام ہے۔ آپ کی فرمائش ہے تو سامنے کی دو تین باتیں عرض کرتا ہوں۔ ساختیاتی اور پس ساختیاتی فکر کئی اعتبار سے ایک انقلابی موقف تھا۔ پچھلے 35 برسوں کے دوران اس نے فکرِ انسانی کے بہت سے شعبوں کو متاثر کیا، اس لیے ساختیات و پس ساختیات صرف ادب کا مسئلہ نہیں بلکہ پوری انسانی کارکردگی کا مسئلہ ہے۔ یعنی ذہنِ انسانی ادراک کیوں کر کرتا ہے، چیزوں کی حقیقت کو کس طرح انگیز کرتا ہے اور تمام ذہنی سرگرمی کن بنیادوں پر قائم ہے۔ چونکہ ادب بھی خاص ذہنی سرگرمی ہے، اس لیے ادب پس ساختیاتی فکر کا خاص موضوع ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ساختیات اور پس ساختیات دونوں فلسفۂ لسان بالخصوص سوسیر کی فکر سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس کی بصیرت نے انسان اور اشیا کے رشتے کی نوعیت ہی بدل دی ہے۔ یعنی یہ کہ کائنات اشیا سے عبارت نہیں، بلکہ ان رشتوں سے عبارت ہے، جن کی بدولت، حقیقت ہمارے شعور میں قائم ہوتی ہے۔ یعنی حقیقت ہر گز وہ نہیں ہے جو دکھائی دیتی ہے، بلکہ حقیقت صرف اسی حد تک ہے، جس حد تک ہمارا شعور حقیقت کو انگیز کرتا ہے۔ یعنی حقیقت زبان کی رُو سے زبان کے اندر اور زبان کے توسط سے قائم ہوتی ہے، اس سے باہر کچھ نہیں۔

پس ساختیات کے مباحث کا اطلاق ادب پر کیا جاتا ہے، تو ان کے مضمرات بھی بہت گہرے اور بسیط ہیں اور ان کو سہل کر کے مختصراً پیش کرنا، گویا ان کا خون کرنا ہے۔ اسی لیے سردست میری کوشش یہی ہے کہ لوگ بدلتی ہوئی ثقافتی صورتِ حال اور اس کے مضمرات کو سمجھیں۔ میں نے مابعد جدید ادبی نظریے اور اس کی تحریک آشنا شکلوں پر کام کیا ہے۔ لوگ فوری نتائج اخذ کرنا چاہتے ہیں، اچھے برے پر رائے قائم کرنا چاہتے ہیں۔ میری درخواست ہے کہ پہلے نئی ادبی تھیوری اور اس کی بنیادوں کو سمجھئے۔ رائے قائم کرنے کی منزل بعد میں آتی ہے۔ ادبی معاملات میں اشتہاریت اور تجارتی ذہنیت نے اتنا نقصان پہنچایا ہے کہ لوگ فوری نتائج کا مطالبہ کرتے ہیں یا ایجادِ بندہ سے کام لے کر بقراطیت بگھارتے ہیں اور غلط تاویلیں کرتے ہیں۔ ایسا بہت کچھ کہا اور لکھا گیا ہے، جس کا نئی فکریات سے کوئی تعلق نہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جو بغیر کچھ جانے یا سوچے رائے زنی کرتے ہیں اور اپنی لاعلمی اور تعصب پر اُترتے بھی ہیں۔ اپنے کام کے سلسلے میں مجھے دونوں طرح کے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس وقت میری سعی و جستجو یہ ہے کہ نئی ادبی تھیوری کے مبادیات اردو کی فکری روایت میں قائم ہو جائیں تو پھر نئے مباحث کو صحیح سمت و رفتار ملے گی۔

مابعد جدیدیت کوئی آئیڈیالوجی نہیں ہے۔ ساختیاتی پارٹیاں یا حکومتیں کہیں قائم نہیں ہوئیں۔ کمیونزم کی طرح ساختیات کے نام پر مار دھاڑ بھی نہیں ہوئی، کسی کا حقہ پانی بھی بند نہیں ہوا۔ یہ سوچنے کا ایک طریقہ، متن کی قرأت کا ایک انداز اور معنی کی طرفیں کھولنے کا نیا فلسفہ ہے، جس نے ادب کی نوعیت و ماہیت کے بارے میں اب تک چلے آرہے سوچنے کے انداز کو بدل دیا ہے، البتہ اس کے اقداری مضمرات ہو سکتے ہیں۔ یہ چونکہ انحراف، انقطاع اور اجتہاد کا فلسفہ ہے۔ یہ بائیں بازو کے ساتھ ہے لیکن یہ سکہ بند یا ادعائیت شکار فکر کے ساتھ نہیں۔ نئے مفکرین میں یہ بات مشترک ہے کہ وہ بورژوا طرزِ فکر، بورژوا کلچر، بورژوا اندازِ نقد، غرضیکہ بورژوائیت کی ہر شکل کے شدید خلاف ہیں۔ اس لیے کہ بورژوائیت، جاگیردارانہ نیز سرمایہ

داراند فکر کی خاص تشکیل پر قائم ہے اور نئی فکر نے موضوعیت کو تہس نہس کر دیا ہے۔ مزید یہ کہ معنی کا مرکز چونکہ رشتوں کا نظام ہے، نہ کہ انسان کا ذہن، ماورائے انسان کوئی چیز نہیں۔ اس لیے معنی بے مرکز ہے اور جب معنی بے مرکز ہے تو موضوعیت قائم ہی نہیں ہو سکتی۔ پس ساختیات کی وہ شاخ جو ردتشکیل کہلاتی ہے اور جس کی نظریہ سازی کے لیے ژاک دریدا شہرت رکھتا ہے، باغیانہ فکری روش اس لیے ہے کہ وہ موضوعیت یا ماورائیت کے ہر موقف کو رد کرتے ہوئے ہر معنی کو اپنے مرکز سے بے دخل کرتی ہے۔ ردتشکیل گویا قرأت کا ایسا طریق کار ہے، جو سامنے کے مروجہ یا معتقدہ معنی کو رد کرتا ہے اور اُس معنی کو بروئے کار لاتا ہے جو دبا ہوا ہے یا پس پشت ڈال دیا گیا ہے یا جسے جبر اور استحصال کی قوتوں نے اقتدار کے کھیل میں عملاً نظرانداز کر دیا ہے۔ اس باغیانہ نقطہ نظر کا ادبی تنقید پر بالخصوص اثر پڑا ہے، کیونکہ رومانی نقطہ نظر، جو مصنف کی ذات پر زور دیتا تھا، اسے تو نئی تنقید نے رد کر دیا تھا۔ یہ کہہ کر کہ فن پارہ خود مکتفی ہے۔ ساختیات اور مظہریت کی رو سے قاری یا نقاد، متن کو موجود بناتا ہے، متن میں معنی کا جو خزانہ ہے، قاری اس کو برآمد کرتا ہے۔ سو فن پارہ کلیتاً خود مختار ہے نہ خود کفیل، کیونکہ قرأت کا عمل خلاء میں نہیں ہوتا۔ یوں دیکھا جائے تو پس ساختیاتی فکر نہ صرف قرأت کے عمل اور قاری کی واپسی پر زور دیتی ہے، بلکہ ادب کے مسائل کو سماج اور تاریخ کے اندر بھی لے آتی ہے، تاریخ کا ردتشکیلی تصور نیا فکری تصور ہے۔

س: آپ کی نگاہ میں اردو تنقید کا معیار کیسا ہے؟

ج: اردو تنقید کا معیار بے شک بڑھا ہے۔ اگرچہ معاصر ادیبوں کو شکایت رہتی ہے کہ تنقید ان پر توجہ نہیں کرتی۔ اعلیٰ ادب پیدا ہوگا تو اعلیٰ تنقید بھی لکھی جائے گی، تنقید میں ہم پاکستان سے بہت آگے ہیں۔ ادھر فلسفہ ادب، یعنی ادبی تھیوری اور شعریات پر جیسی توجہ ہندوستان میں ہوئی ہے اس سے پہلے کے 50 برسوں میں نہیں ہوئی تھی۔ اردو تنقید ہندوستان میں بھی دوسری زبانوں سے آگے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنی روایت کے بھی پاس دار ہیں اور نئے خیالات کو بھی کھلے ذہن سے قبول کرتے ہیں۔ اردو تنقید، سنسکرت کی روایت سے بھی بے بہرہ نہیں اور عربی فارسی روایت کی بھی امین ہے۔ نیز یہ بھی کہ مغرب کے نئے سے نئے خیالات کے لیے بھی اردو میں دروازے، کھڑکیاں کھلی ہوئی ہیں۔ شرط یہ ہے کہ ہم انھیں اپنی کسوٹی پر پرکھیں اور اپنی ضرورتوں کے مطابق اپنا معیار خود وضع کریں۔ یہ کام شمالی ہندوستان میں زیادہ ہو رہا ہے، جنوبی ہندوستان میں علمی کام پر مزید توجہ کی ضرورت ہے۔ اردو کے شعبے یونیورسٹیوں میں ہر جگہ ہیں، اعلیٰ تعلیمی ادارے بھی ہیں، اردو اکادمیاں بھی ہیں۔ ان کے لیے ضروری ہے کہ بڑھ چڑھ کر اکیڈمک اور اعلیٰ نوعیت کا کام کریں۔ اردو کے فروغ کے لیے علمی کام ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، اس پر توجہ ہونی چاہیے۔ تخلیق کی اپنی اہمیت ہے اور علمی کام کی اپنی۔

س: بعض نقادوں کا تخلیقی ادب کے حوالے سے بھی اہم مقام ہے، لیکن بعض نہایت اہم تخلیق کار بھی اپنا اصل منصب چھوڑ کر تنقید کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس کی بنیادی وجہ کیا ہے؟

ج: اس کے اسباب تو بہت واضح ہیں۔ ادیبوں کو اندر کی جست اور اضطراب اظہار خیال پر مجبور کرتا ہے۔ فرض کیجیے ایک شاعر یا افسانہ نگار ہے، اس کو زیادہ اہمیت نہیں ملتی تو وہ کسی اور میدان کا انتخاب کر لیتا ہے۔ بعض لکھنے والے ایسے ہوتے ہیں جن کے اظہار کی دنیا وسیع ہوتی ہے۔ وہ کسی بھی صنف پر، کسی بھی سطح پر کھڑے ہو کر اپنے تخلیقی رویوں کا اظہار کریں، ان کا کمال سامنے آجاتا ہے، جیسے غالب شاعری میں بھی معجز نما ہیں اور نثر نگار کی حیثیت سے بھی بے مثل ہیں۔ جب ان کو یہ تحریک ہوئی کہ میرا مقابلہ تو نظیری، ظہوری، عرفی، فیضی اور بیدل سے ہے تو انھوں نے فارسی میں شاعری کی۔ پر ایک منزل پر جب انھیں احساس ہوا کہ 'ہوگئے مضمحل قویٰ غالب' تو فارسی سے دل ہٹا کر اردو خطوط نگاری کا آغاز کیا۔ اردو نثر لکھی تو اس کو درجہ کمال تک پہنچا دیا، فارسی میں بھی بڑا نام پیدا کیا۔ یہ غیر معمولی جینیس والی بات ہے۔ واضح رہے کہ اب تنقید کی دنیا اتنی بڑی دنیا ہے کہ جب تک یکسوئی سے تنقید میں اپنی پوری صلاحیتوں کو صرف نہ کریں، بات نہیں بنتی۔ تنقید محض کسی کتاب پر تبصرہ کرنا، کسی کا قصیدہ پڑھنا یا کسی کی جڑ کھودنا نہیں۔ تنقید صحیح معنوں میں ادب کی تحسین شناسی ہے۔ افہام و تفہیم کی کوشش ہے۔ تنقید نام ہے ادب کی قدر شناسی کا اور نکتہ سنجی کا۔ نکتہ آفرینی کے مدارج تو بہت زیادہ ہیں، لیکن آج تنقید کی وادی میں کوئی ایک قدم بھی نہیں چل سکتا، جب تک کہ فلسفہ ادب سے، ادبی تھیوری سے اور ادبی نظریوں سے پوری طرح آگاہ نہ ہو۔ تنقید کے میدان میں کام کرنے والے کو سنجیدگی اور یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے، اگر تنقید میں کسی کو اعتبار حاصل ہو گیا تو یہ ضروری نہیں کہ وہ اعتبار اُسے افسانہ نگاری یا شاعری میں بھی حاصل ہو جائے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شعر کو افضلیت حاصل ہے، لیکن بغیر کسی تخلیقی احساس کے، آگہی کے، شعر کی تفہیم بھی تو نہیں ہو سکتی۔ ہمارے بزرگ کہتے چلے آئے ہیں کہ شعر گفتن سے شعر فہمیدن کا درجہ اونچا ہے۔ غالب اپنے احباب میں مولوی فضل حق خیر آبادی، شیفتہ اور آزردہ کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے، اس لیے کہ شعر کہنا الگ بات ہے، لیکن جب تک شعر سمجھنے والا نہ ہو، قدر کرنے والا نہ ہو، اس وقت تک متن گونگا، بہرا ہے۔ تنقید نگاری یا علمی کام کرنا اردو کی ادبی روایت میں دوسرے درجے کا کام نہیں ہے۔ ویسے بھی ادبی دنیا میں کوئی کام دوسرے درجے کا سمجھ کر نہیں کرنا

چاہیے۔ میں تعلیم کے حوالے سے بہت خوش نصیب رہا ہوں۔ میں نے شروع میں افسانہ بھی لکھا تھا اور کچھ دن شاعری بھی کی، لیکن یہ سب شوقیہ تھا۔ تنقید سے مجھے گہری دلچسپی تھی، اس لیے وہ میرے مزاج کا حصہ بن گئی۔ ویسے ادب میں آسودگی گناہ ہے۔ ادب میں کوئی منزل آخری منزل نہیں ہوتی۔ ادب میں تنقید کا پلڑا ہمیشہ بھاری رہا ہے۔

س: کیا آپ تنقید کو تخلیق کا درجہ دیتے ہیں؟

ج: نہ میں تنقید کو تخلیق تصور کرتا ہوں اور نہ تخلیق کو تنقید سمجھتا ہوں، اس طرح سے سوچنا اور دیکھنا بھی نہیں چاہیے۔ تنقید کی اپنی ایک دنیا ہے اور تخلیق کی اپنی دنیا ہے، دونوں ادب ہی کا حصہ ہیں۔ تنقید کو تخلیق کا درجہ دینا اُسے اپنے منصب سے گرانا ہے۔ تنقید تنقید اسی لیے ہے کہ وہ تخلیق نہیں۔ تخلیق جذبہ و احساس، وجدان اور تخیل کا عمل ہے، تنقید تعقل کا۔

س: کہا جاتا ہے کہ جدیدیت، ترقی پسند اندازِ فکر کی توسیع ہے۔ آپ کا اس سلسلے میں کیا خیال ہے؟

ج: بیشک جدیدیت بھی روشن خیالی کا ایک حصہ تھی، لیکن افسوس کہ جدیدیت کی نظریاتی تشکیل جس طرح اردو میں کی گئی، ایسا لگتا ہے کہ ترقی پسند اندازِ فکر کی ضد میں کی گئی، اس لیے ترقی پسندوں کی ضد میں اردو جدیدیت سے روشن خیالی کے لبرل عناصر کو چن چن کر باہر نکالا گیا، جو بہت غلط کام تھا۔ دنیا میں جدیدیت کے نام سے جو ادب لکھا گیا، یا جس کی ترویج ہوئی وہ نئی سائنس، نئے علوم اور مارکسزم کے اثرات سے جو انسانیت کی نئی لہر اٹھی تھی اور جو توقعات پیدا ہوئی تھیں، جدیدیت ان سب کا حصہ تھی۔ 1960 کے بعد ہندوستان اور پاکستان میں جدیدیت کے نام پر جو تحریک ابھری، وہ ترقی پسندی کے ردِ عمل میں ابھری تھی۔ افسوس کہ اس وقت ترقی پسندوں نے اپنا محاسبہ نہیں کیا اور انھوں نے اپنی نظریاتی جہات کی تشکیل نہیں کی، ورنہ ممکن تھا کہ یہ بتایا جاتا کہ پاکستان میں بھی اور ہندوستان میں بھی روشن خیالی کی شدید ضرورت ہے۔ 55، 56ء تک ترقی پسند تحریک ایک خاص طرح کی نعرے بازی اور اشتہاریت میں گھر کر بے اثر ہو چکی تھی، اس وقت یہ تحریک ماسکو کے زیرِ اثر تھی، اور ان کا کہنا تھا کہ ادب کا کام صرف سرخ انقلاب لانا ہے۔ یعنی ادب کی جو داخلی اور جمالیاتی آزادی ہوتی ہے، اس کو وقتی ہنگامے اور خارجی سیاست کے تابع کر دیا گیا۔ اس صورت حال میں اس کا ردِ عمل ضروری تھا، چنانچہ جدیدیت ردِ عمل کے طور پر سامنے آئی۔ اس میں سے سماجیاتی فکر، معاشرے کا دکھ درد، اور عوام کے مسائل کی تڑپ کو بالکل نکال دیا گیا اور خالی ہیئت پرستی اور میکانکی لوازمات شعری کو جدیدیت سمجھ لیا گیا۔ مثال کے طور پر رعایت لفظی، ابہام، عروض، بلاغت اور بیان کے مسائل کو لے کر یہ بتایا گیا کہ یہ ادبی قدریں ہیں۔ یہ کسی نے نہ سوچا کہ شعری لوازم اور وسائل تو ہیئتی قدریں ہیں۔ ان کو ادبی قدر نہیں سمجھنا چاہیے تھا۔ ادبی قدر تو زندگی کی تازگی اور زندگی کی حرارت سے بنتی ہے۔ ادب اور زندگی کے رشتے کو کاٹنے کے پروسس میں جدیدیت نے اپنے ہی ہتھیاروں سے خودکشی کر لی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ 1975 تک آتے آتے دونوں ملکوں میں جدیدیت سپاٹ اور بے اثر ہو گئی۔

س: کہا جاتا ہے کہ ترقی پسند ادب میں سیاسی حوالوں سے جو صحافتی انداز در آیا تھا، جدیدیت اس کے ردِ عمل میں وجود میں آئی تھی۔

ج: ابھی میں نے اس کی وضاحت کی ہے۔ وہ بھی بڑی غلطی تھی کہ ترقی پسندوں نے ایک خارجی مقام کو قبلہ تصور کر لیا تھا۔ دراصل ادب میں خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب فن کار کے لیے ہدایت نامہ وضع کیا جائے۔ سچا ادب اس وقت پیدا ہوتا ہے جب لکھنے والا ذہنی طور پر آزاد ہو اور اپنے باطن سے معاملہ کرے۔

س: کوئی ایسی تجویز جس سے دونوں ممالک کے درمیان بھائی چارے کی فضا پیدا ہو؟

ج: دونوں ممالک میں کسی نہ کسی حوالے سے خون خرابہ ہو رہا ہے۔ کسی ترقی پذیر ملک کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اس کے باشندے ایک دوسرے سے نفرت کریں، مذہب کی بنیاد پر خلفشار پیدا کریں، مسالک اور فرقہ واریت کی بنیاد پر لوگوں کو لڑائیں۔ ان زہریلے عناصر کی دونوں ممالک میں بیخ کنی ہونی چاہیے۔ پہلے انسانوں اور مذاہب کا جو احترام سکھاتا تھا، وہ تھا تصوف، وحدت الوجود، بھگتی کا فلسفہ، وہ سبق ہم نے بھلا دیا۔ ایک زمانے تک تصوف کی طاقت نے ہمیں گانٹھے رکھا، لودھی، خلجی اور تغلقوں کے زمانے سے آخر مغلوں اور بہادر شاہ ظفر کے زمانے تک تصوف اور بھگتی نے ہماری شیرازہ بندی کی لیکن اس کے بعد یہ سلسلہ ٹوٹ گیا۔ اب تمام فلسفے بے اثر ہو چکے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر اس رویے کو رد کیا جائے، جو محبتوں میں کمی کا باعث بنے، ہر اس عمل سے گریز کیا جائے، جو نفرتوں کو ابھارے۔ محبت انسانیت کی بنیاد ہے اور اس بنیاد کو مستحکم کرنے کے لیے ادب اور صرف ادب کی ضرورت ہے۔ بقول دکھنی شاعر ؎

کفر کافر کو بھلا شیخ کو اسلام بھلا
عاشقاں آپ بھلے اپنا و آرام بھلا

(بہ شکریہ روزنامہ "جنگ")

◆◆◆

نثار احمد فاروقی

ہمارے مدارس اور جامعات میں عربی زبان کی تعلیم

عربی زبان دنیا کی اہم اور قدیم زبانوں میں سے ایک ہے۔ لسانی اعتبار سے یہ سامی خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور آج اس خاندان کی واحد زندہ زبان ہے۔ عبرانی یا حبشی زبانوں کا اس سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ نے اس پر یہ احسان عظیم کیا کہ اس زبان کے بولنے کو قبیلہ قریش میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور اُسے اپنے ابدی پیغام کا ذریعہ بنالیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ عربی مبین میں نازل ہونے والے قرآن کریم کو ہر قسم کی تبدیل و تحریف سے محفوظ رکھنے کا بھی خود ہی ذمہ لے لیا۔ اس کا مذہبی پہلو اس وقت ہمارے موضوعِ گفتگو سے دور ہے لیکن لسانی اعتبار سے یہ مجد و شرف ہی عربی زبان کی زندگی اور تحفظ اور ترویج و ترقی کا سبب بن گیا۔ دنیا میں اور کوئی کتاب ایسی نہیں جسے اتنے اہتمام سے محفوظ رکھا گیا ہو، جس کے ایک ایک حرف پر صدیوں سے غور و فکر ہو رہا ہو اور معانی و مطالب کے نئے نئے دروازے کھل رہے ہوں، جس ایک کتاب کی بدولت سیکڑوں کتب خانے وجود میں آگئے ہوں اور جس کتاب کے متبرک کلمات کو کروڑوں مسلمان دن میں کم از کم پانچ بار ایک فرض سمجھ کر پڑھتے ہوں۔

مسلمانوں کے طویل دورِ حکومت میں بہت قلیل مدت ایسی رہی جب عربی سرکاری کاروبار کی زبان رہی ہو۔ سرکاری زبان کی حیثیت فارسی کو حاصل رہی لیکن عربی ہر دور میں سیادت کرتی رہی اس لیے کہ وہ مذہبی اور علمی زبان رہی اور جہاں بھی گئی وہاں کی مقامی بولیوں نے اسے سر آنکھوں پر بٹھایا، اس سے قوت اور روشنی مانگ کر اپنی تاب و توانائی میں اضافہ کیا۔ آج سراسر ہند میں شاید ہی کوئی زبان یا بولی ایسی ہو جو کسی نہ کسی درجے میں عربی زبان کو مقروض نہ ہو۔

انیسویں صدی کے نصف اوّل تک عربی زبان زیادہ تر وہی حضرات پڑھتے تھے جو علومِ دینیہ حاصل کرنا چاہتے ہوں۔ اُس وقت تک مسلمانوں کا اقتصادی نظام بھی ایسا تھا کہ وہ علم کو ذریعہ معاش نہیں بلکہ شرفِ انسانیت سمجھتے تھے۔ اسی لیے دینی مدارس میں بھی ایسے طلبہ آتے تھے جو اپنے خاندان میں علم کی طویل اور مستحکم روایت کے امین ہوتے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ صورتِ حال تبدیل ہوتی گئی اور کسبِ معاش کے لالچ نے اچھے ذہین طلبہ کی اکثریت کو کالج کی طرف ہانک دیا اور وہ صورت پیدا ہوگئی جسے اکبر الہ آبادی نے ایک ہی مصرع میں بیان کردیا ہے: "کونسل میں بہت سیّد، مسجد میں فقط جُمّن۔"

اس کا کوئی تدارک اُس وقت تک ممکن نہیں تھا جب تک دینی مدارس کے نصاب کو آج کی اصطلاح میں معاش سے مربوط (Job-oriented) نہ بنا دیا جائے۔ اس کے لیے ایک تو مدارس کے ذمے دار علما تیار نہ تھے۔ دوسرے واضح طور پر کوئی ایسی سمت بھی نہیں تھی جو حصولِ معاش کی ضمانت دیتی ہو۔

بیسویں صدی کے نصفِ آخر میں دعاے ابراہیمی کی برکات ہندستان تک بھی پہنچیں تو عربی زبان نے بھی ایک نئی اہمیت اختیار کرلی۔ اب ان ملکوں میں جہاں عربی صرف مذہبی زبان کی حیثیت سے پڑھی اور پڑھائی جاتی تھی، اس زبان میں معاش سے مربوط نصابِ تعلیم بنانا ممکن ہوگیا۔ اس سے عربی زبان کی تعلیم و تدریس دو خانوں میں تقسیم ہوگئی یعنی (1) دینی تعلیم اور (2) معاش سے مربوط تعلیم۔

دینی نصاب میں حسبِ اقتضاے زمانہ تبدیلیوں کی ضرورت ہے یا نہیں، اس وقت یہ بھی ہمارا موضوعِ بحث نہیں۔ لیکن صرف اتنا اشارہ غالباً کافی ہوگا کہ ہمارے مدارس سے نکلے ہوئے طلبہ صرف مقامی اور اندرونی ضروریات کو شاید پورا کرسکتے ہوں گے مگر ہم نے مستشرقین کو دوسری اقوامِ عالم کے سامنے اسلام کی مسخ شدہ تصویر پیش کرنے کے لیے دو صدیوں سے آزاد چھوڑ رکھا ہے۔ میں اس گناہ سے مدارس کو بری نہیں سمجھتا۔

دوسرا پہلو معاش سے مربوط نصابِ تعلیم کا ہے۔ ہمارے مدارس میں بہ استثناے چند ادب یا لغت پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی۔ ادب کو ایک زندہ اور متحرک روایت کے طور پر نہیں پڑھا جاتا۔ یہی سبب ہے کہ مدارس کا ایک طالب علم جاہلی دور کی شاعری یا عباسی عہد کی نثر یا ابو نواس اور المتنبی جیسے کلاسیکی شعرا کی شاعری تو پڑھ لیتا ہے یا اس کا ترجمہ کرسکتا ہے لیکن یہ مطالعہ اکثر حالات میں کوئی تنقیدی بصیرت پیدا نہیں کرتا۔ پہلے ہم عباسی عہد کے ساتھ ہی عربی ادب کی بساط بھی لپیٹ دیا کرتے تھے، اب وہاں سے زقند لگا کر نپولین کے حملے تک پہنچ جاتے ہیں اور ابراہیم و شوقی پر اس مطالعے کو تمام کر دیتے ہیں، مگر بالکل جدید رجحانات اور نئی ادبی تحریکوں سے عموماً بے خبری ہے۔ اگر کسی زبان کا ادب اُس قوم کے جذبات و محسوسات، عواطف اور میلانات کا آئینہ یا اس کے ضمیر کی آواز کا صوت پیما ہوتا ہے تو ہم عرب اور عربوں کی صحیح تصویر اُسی وقت دیکھ سکتے ہیں جب اُس کے ادب کی مختلف

جہتوں سے آشنا ہوں اور ناقدانہ بصیرت کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں۔

یہ تو ادب کا حال تھا۔ اب رہا زبان کا مطالعہ تو اس میں بھی متعدد پہلو ہمارے غور و فکر کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ہم زبان کو ایک جامد شے سمجھ کر پڑھتے ہیں اور اُس کے فطری بہاؤ اور جدلیت سے عموماً بے خبر رہ جاتے ہیں۔ کسی زبان کے سائنٹفک مطالعے کے لیے جو جدید ترین وسائل ہیں، ہمارے مدارس اور جامعات کو اُن کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ زبان کا حال بعینہ مجموعِ انسانی کا سا ہے۔ انسان پیدا ہوتا ہے، پلتا بڑھتا ہے اور ایک عالم پر چھا جاتا ہے، پھر ناکارہ ہو جاتا ہے، گوشۂ گمنامی میں چلا جاتا ہے اور مر جاتا ہے، یہاں تک کہ ذہنوں سے بھی فراموش ہو جاتا ہے۔ یہی الفاظ و محاورات کا بھی حال ہے۔ اگر نئی نسل سے ہمارا تعارف نہ ہو تو ہم ایک داستانِ پارینہ بن جاتے ہیں۔ زبان میں بھی نئے الفاظ اور اصطلاحیں چپکے چپکے داخل ہوتی رہتی ہیں اور ان کے پس منظر میں ہمیشہ ایک تاریخ چھپی ہوتی ہے۔ ہمارے موجودہ نصابِ تعلیم میں یہ گنجائش نہیں کہ زبان کے بہاؤ اور اس کے فطری بناؤ سے ہمیں آگاہ رکھ سکے۔ روایتی نصابِ تعلیم کی دوسری خرابی یہ ہے کہ اُس میں زبان کی تعلیم "مقصود بالذات" ہے۔ ہمارے بیشتر طلبہ کے لیے فخر کرنے کو بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ مترجم یا ترجمان بن جائیں۔ نہ وہ ادب آفریں ہوتے ہیں نہ اُن میں اس زبان میں شعر کہنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے بلکہ عربی شاعری کا پورا ذوق بھی نہیں پا سکتے؛ نہ ان میں وہ انتقادی بصیرت پیدا ہوتی ہے کہ ادب کو میزانِ اقدار میں تول سکیں یا آفاقی کسوٹی پر پرکھ سکیں۔ اس کے بغیر ادب اور زبان کا مطالعہ و تعلیم دونوں بے مقصد، ادھورے اور محض میکانکی ہو کر رہ جاتے ہیں۔

زبان ایک ذریعہ ہے۔ اس کا اصل فائدہ اس کے حصول کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اگر آپ کے پاس بہت اچھی مضبوط اور خوشنما سیڑھی موجود ہے مگر آپ کے سامنے کوئی بام بلند نہیں ہے جس پر چڑھنا ہو تو محض اس سیڑھی کا مالک بن جانے پر کیا فخر ہو سکتا ہے؟ ہمارے بیشتر طلبہ عربی زبان پڑھ کر بھی اس عظیم الشان علمی خزانے سے بے بہرہ رہ جاتے ہیں جو اُنھیں اس زبان کے وسیلے سے مل سکتا تھا۔

ادب عربی اور لغت کے نصاب میں ایسی انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت ہے جو طالبِ علم میں یہ احساس پیدا کریں کہ اس زبان کے وسیلے سے وہ علم و خبر کی نئی دنیائیں دریافت کر سکتا ہے اور مطالعہ ادب اُسے عالمِ عربی کی نبض کا شناسا بنا دے۔ لیکن عربی کی غیر دینی تعلیم کا صرف یہی پہلو نہیں ہے۔ ہمیں اپنے نئے اور معاش سے مربوط نصاب میں سائنس اور ٹکنالوجی کی جدید ترین سہولیات سے استفادہ کرنا ہوگا۔ آئندہ کیا صورت پیش آتی ہے، ہماری براعت (Know-How) اور فنی مہارت پر عالمِ عربی کے انحصار کا تناسب بڑھے گا یا کم ہوگا اس پر ہمارے معاش سے مربوط نصابِ تعلیم کی تشکیل بھی منحصر ہوگی۔ آج عرب دنیا میں ہمارے ڈاکٹر، انجینئر، سائنس داں اور صنعت کار بڑی تعداد میں درآمد کیے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک ڈاکٹر یا انجینئر کے لیے عربی زبان محض ایک وسیلہ ہو سکتی ہے، مقصود نہیں بن سکتی اور یہ وسیلہ جسے حاصل ہو وہ زیادہ کامیاب بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح کے مختلف علوم و فنون اور ٹیکنالوجی کی بنیادی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر ان ماہرین کے لیے خصوصی نصاب ایک سال کی مدت کے تیار ہونے چاہئیں جو انھیں اپنے فن کی کم از کم اُن اصطلاحوں سے واقف کرا سکیں جن کی ضرورت فنی اور غیر فنی لوگوں سے معاملہ کرنے میں پیش آتی ہے۔ اس سے نہ صرف ایک بڑی اور اہم ضرورت پوری ہوگی بلکہ ان ماہرینِ فن کی مانگ بڑھے گی اور ان کی کارکردگی بہتر ہوگی۔ یہاں ہماری جامعات میں عربی زیادہ مقبول ہوگی۔ اس وقت سائنس اور ٹیکنالوجی کے اتنے متنوع شعبے ہیں کہ متعدد نصاب بیک وقت چلائے جا سکتے ہیں۔

ان تجاویز کو بروئے کار لانے کے لیے ہمارے نصابِ تعلیم میں ایک اور بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہوگی۔ اس وقت عربی زبان کی تدریس دو ایسے جداگانہ طریقوں سے ہو رہی ہے جن میں زمین آسمان کا فرق ہے اور کسی طرح کا تال میل نہیں ہے۔ ایک قدیم نصاب اور طریقِ تعلیم ہے جو ملک کے بیشتر اُن مدارس میں رائج ہے جو چھوٹے چھوٹے قصبوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس طریقِ تعلیم کی وہی روایتی بنیاد ہے جس میں زبان پر صرف و نحو کے ذریعے سے قابو پانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پنج گنج، میزان، منشعب، کافیہ اور شرح ملا جامی جیسی کتابیں اس میں شک نہیں کہ بہت جامع ہیں لیکن دشواری یہ ہے کہ آج طریقِ تعلیم و تدریس (Teaching Method) کو اتنا آسان اور اتباہی بنایا جا چکا ہے کہ جدید طریقِ تدریس سے ابتدائی اور ثانوی سطح پر آشنا ہو جانے والے بچے اب ان کتابوں سے پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتے اس لیے کہ یہ ریاض کا مطالبہ کرتی ہیں۔ آج مدارس اور جامعات کے طالبِ علموں میں ایک نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ مدارس کے بعض طلبہ بہت باصلاحیت ہوتے ہیں اور ان کا تھوڑا علم بھی پختہ ہوتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ جو فائدہ کم وقت میں ایک مباشر طریقے (Direct Method) سے حاصل کیا جا سکتا ہے اُسے دشوار اور پیچیدہ کیوں بنایا جائے؟ جن کتابوں کے ذریعے سے خود عرب اپنی زبان نہیں پڑھ رہے ہیں ہم نے انھی کتابوں سے عربی سیکھنے پر کیوں اصرار کر رکھا ہے؟ عربی زبان کی تعلیم و تدریس کی حد تک جامعات اور مدارس میں اشتراک اور تعاون بھی ضروری ہے اور وہ اس طرح

ممکن ہے کہ دونوں اداروں کے نمائندہ افراد پر مشتمل ایک مرکزی کمیٹی بنا دی جائے جو مختلف مدارس کی ضروریات کو نظر میں رکھتے ہوئے طریقِ تدریس اور نصاب کی دشواریوں پر غور کر کے انھیں دور کرنے کی تجاویز پیش کرے۔ ان تجاویز میں جہاں مختلف اداروں کی ضروریات اور مقاصد کا پورا احترام ہو وہیں ان کے نصاب اور طریقِ تعلیم میں وحدت پیدا کرنے کی کوشش بھی کی جائے۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ عربی بہر حال ایک محدود طبقے کے محدود افراد کا مسئلہ ہے اور مختلف ادارے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا کر تھوڑے سے وسائل کو ضائع نہ کریں تو اچھا ہے۔ دونوں اداروں سے لیے گئے نمائندوں پر مشتمل یہ کمیٹی ہی نصاب کی تشکیل بھی کر سکتی ہے۔ اسے چھاپنے کی نگرانی کے علاوہ انھیں مدارس اور جامعات کی مختلف سطحوں پر روشناس بھی کرا سکتی ہے۔

مجھے متعدد یونی ورسٹیوں کے بورڈ آف سٹڈیز سے متعلق ہونے اور ان کے لیے نصاب تعلیم منتخب کرنے کا موقع ملا ہے اور خود اپنی یونی ورسٹی میں بھی اس کا تجربہ کیا ہے کہ ہمیں صرف کتاب کے دستیاب ہونے پر نظر رکھنا پڑتا ہے۔ یہ بالکل ثانوی بات ہے کہ وہ کتاب طلبہ کے لیے مفید ہے یا نہیں۔ اکثر حالات میں یونی ورسٹی بھی یہ کہتی ہے کہ وہی کتاب تجویز کیجیے جو آسانی سے دستیاب ہو۔ چنانچہ ایسا بھی ہوا کہ جان بوجھ کر وہ کتاب تجویز کی گئی جس کے بارے میں علم تھا کہ مختلف قسم کی اغلاط کا پشتارہ ہے یا گمراہ کن ہے۔ ہر یونی ورسٹی میں عربی کے گنے چنے طلبہ ہوتے ہیں اس لیے کسی یونی ورسٹی کو نصابِ تعلیم کی تیاری پر ہزاروں روپے خرچ کرنے میں دلچسپی نہیں ہے۔ اگر کوئی استاد اس کام کا بیڑا اٹھائے تو اُسے ناشر نہیں ملتا اس لیے کہ عربی کتاب کا چھاپنا بھی آسان نہیں اور بیچنا اُس سے بھی زیادہ کٹھن ہے۔ اس میں کوئی ناشر اپنا روپیہ کیوں پھنسائے؟ مگر یہ سب اندیشہ ہائے دور و دراز ہیں ورنہ ہندستان میں عربی طلبہ کی مجموعی تعداد اتنی ضرور ہے کہ نصاب کی کسی کتاب کا دو تین ہزار کا ایڈیشن ایک ہی سال میں تمام ہو جائے۔ لیکن ہندستان بھر کی جامعات میں اسے روشناس کرانا کسی مرکزی بورڈ یا کمیٹی کے بغیر ممکن نہیں۔

جامعات و مدارس میں تال میل ہونے کی صورت میں عرب دنیا سے اساتذہ کے تبادلے اور مہمان اساتذہ کی درآمد کا سلسلہ بھی مفید اور مؤثر انداز میں شروع کیا جا سکتا ہے۔ ایسے تبادلے ماضی میں ہوئے بھی ہیں اور ان سے طلبہ کو بہت فائدہ پہنچا ہے۔ ان مبعوث اساتذہ کی تنخواہ کا بوجھ اس ادارے پر نہیں پڑتا جہاں وہ درس دینے کے لیے بھیجے جاتے ہیں۔

جدید نصاب تعلیم ہمیں تین مرحلوں کے لیے درکار ہوگا:

(1) ابتدائی کتابیں، درجۂ اول سے پانچویں جماعت تک۔ اس میں طالبِ علم کو صرف و نحو اور قواعد کی بوجھل مشقوں سے بالکل نا آشنا رکھ کر صرف نفسیاتی گرامر اور طریقِ مباشر (Direct Method) سے عربی زبان اس حد تک پڑھائی جا سکتی ہے کہ وہ سادہ جملے لکھ پڑھ اور بول سکے۔ (2) ثانوی کتابیں۔ درجہ پانچ سے بارھویں جماعت تک کا نصاب اس طرح مرتب کیا گیا ہو کہ اس ثانوی مرحلے پر طالبِ علم کو ضروری اور بنیادی قاعدوں سے واقف کرا دے۔ دوسرے درجہ بدرجہ اس میں ادب کے مطالعے کا ذوق اور زبان کے مزاج کو سمجھنے کی اہلیت پیدا کر سکے۔ اس مرحلے کی کتابوں کا بامقصد منصوبے کے ساتھ مرتب ہونا سب سے زیادہ ضروری ہے اس لیے کہ ثانوی مرحلے میں اگر کچھ خامیاں رہ جائیں تو انھیں کالج اور جامعات کی سطح پر دور کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ (3) تیسرا مرحلہ کلیاتی سطح کے نصاب کا ہے جو بی اے آنرز اور ایم اے کے طلبہ کے لیے ہو۔ یہ نسبتاً آسان ہے اس لیے کہ یہاں اپنے مقاصد اور ضرورت کے لحاظ سے درس کے مواد کا انتخاب کرنا ہے۔ لیکن اگر نصاب کو معاشری افادیت سے مربوط کرنا ہے تو اس مرحلے میں ترجمہ و ترجمانی، ٹائپ رائٹنگ اور عربی میں خط و کتابت کے کورس شامل کیے جا سکتے ہیں۔

ایم اے کی سطح پر سیمینار اور ٹوٹوریل اسکیم بھی مفید ہے اور طالب علم کی سمت ایسی ہونی چاہیے کہ اگر وہ ایم اے کے بعد ریسرچ کی طرف جانا چاہتا ہو تو اُس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت اس میں پیدا ہو چکی ہو۔

جامعاتی سطح کی تعلیم میں زبان و ادب کے ساتھ علاقائی مطالعہ (Area Study) بھی بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر ایک غیر زبان کی بہت سی باریکیوں کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس ایریا اسٹڈی کے ایک جزو کے طور پر لغتِ عامیہ کو بھی شاملِ نصاب ہونا چاہیے اور طالب علم کو اختلافِ لہجات سے بھی واقف کرایا جائے۔ جدید افسانہ، جدید ڈراما، اور عربی فلموں کو مروجہ لہجوں سے آشنا ہوئے بغیر پوری طرح سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ آخر میں ایک تجویز اور رکھنا چاہتا ہوں: زبان کا ایک کتابی علم ہوتا ہے اور دوسرا فعال عنصر (Functional aspect) ہے۔ اس کے لیے ایک ماحول ہونا ضروری ہے تا کہ زبان کا عملی تجربہ بھی حاصل ہوتا رہے۔ ہر طالب علم کے لیے اس مقصد سے عربی بولنے والے علاقوں میں جا کر رہنا ممکن نہیں اور ہمارے تعلیمی اداروں میں ہر ادارہ ندوۃ العلما کی طرح ایسا ماحول پیدا نہیں کر سکتا۔ جامعات میں عربی بہت سے مضامین میں سے ایک مضمون ہوتی ہے اور اُسے کسی تناسب سے ہی بڑھایا جا سکتا ہے اس لیے بھی بہت سی جامعات میں یہ ماحول پیدا نہیں ہو پاتا۔ اگر کسی جامعہ میں کوئی استاد ایسا ہے جو طلبہ کو اپنی

مزاولیت کا فائدہ پہنچا سکے تو یہ بھی ایک شخصی پہلو ہے۔ اس معلم کے وہاں سے ہٹ جانے کی صورت میں وہ ماحول بھی ختم ہو سکتا ہے۔ اس لیے جامعات و مدارس کے اشتراک عمل سے یہ ممکن ہے کہ جن اداروں میں کسی خاص موضوع پر تعلیم کا بہتر انتظام ہو وہاں دوسرے مدارس کے طلبہ کو تربیت کے مختصر مدت کے پروگرام پر بھیجا جاسکے۔ گرما کے مدرسے (Summar Schools) اور دراسات مطریہ (Refresher Courses) کے ذریعے بھی یہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اس بات پر غالباً سب کو اتفاق ہوگا کہ عربی زبان میں معاشی فائدے کے نصاب بنانے کی جتنی ضرورت آج ہے اتنی پہلے کبھی نہیں تھی اور اس کے لیے ماحول بھی سازگار ہے۔ اس کی تعلیم کا سارا نظام کسی منصوبے اور مقصد کے بغیر چل رہا ہے۔ لیکن اب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے جس کے دائرۂ کار میں عربی اور فارسی زبانوں کی ترویج و ترقی کے منصوبے بھی شامل ہیں، مدارس کی تعلیم کو نئی زندگی دینے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے یہ مدارس بھی زمانے کی رفتار کے ساتھ چل سکیں اور یہاں سے پڑھ کر نکلنے والے جدید دور کے تقاضوں سے بھی پوری طرح باخبر ہوں۔ امید ہے کہ مدارس ان کوششوں کو بار آور بنانے میں پورا تعاون کریں گے۔

□□□

Post Box No. 9723, Jamia Nagar,
New Delhi-110025

جامع انگریزی۔اردو لغت

حصہ اوّل تا ششم

مدیرِ اعلی :- کلیم الدین احمد

☆ محققین، مترجمین، دفتری اہل کاروں، اساتذہ، قانون دانوں، اہل علم، قلم، صحافیوں، طلبہ اور عام لوگوں کی روزمرہ ضروریات کے لیے یکساں افادیت کی حامل یہ انگریزی اردو لغت ڈھائی لاکھ سے زائد الفاظ و اصطلاحات و معانی کا احاطہ کرتی ہے۔

☆ یہ لغت دنیا کے کسی بھی موضوع پر انگریزی الفاظ کے اردو مترادفات فراہم کرنے میں آپ کی مدد کرے گی۔

☆ تمام مروج علوم و فنون سے متعلق انگریزی / اردو الفاظ و اصطلاحات کا ایک جامع ذخیرہ۔

☆ مترادفات، محاورات اور تشریحات سے مزین اپنی نوعیت کی پہلی مستند، وقیع اور ضخیم لغت جو وبسٹر کو بنیاد بنا کر تیار کی گئی ہے۔

☆ اردو زبان میں نئے سائنسی تصورات اور نئی علمی جہتوں کے اضافے کے ساتھ۔

☆ اکیسویں صدی کے علمی تقاضوں سے ہم آہنگ ......

☆ دو سو سے زائد سائنسی و سماجی علوم و فنون پر محیط ......

☆ امریکی / برطانوی انگریزی کے الفاظ کی صراحت کے ساتھ ......

☆ قومی اردو کونسل کا ایک یادگار کارنامہ ...... ایک تاریخی دستاویز بڑا سائز 11.5x911۔ عمدہ کاغذ، بہترین طباعت ...... کمپیوٹر شدہ کتابت مضبوط و مطلا جلد ...... صفحات: حصہ اوّل (1217، قیمت 400)، حصہ دوم (1062، قیمت 600)، حصہ سوم (1091، قیمت 600)، حصہ چہارم (866، قیمت 600)، حصہ پنجم (1042، قیمت 600)، حصہ ششم (1012، قیمت 600)

براہ راست طلب فرمائیں یا کسی کتب فروش سے خریدیں۔

صدر دفتر : قومی اردو کونسل، ویسٹ بلاک۔8، ونگ۔6، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔006 110

فون : 6103381, 6103938, 6179657 فیکس : 6108159

حیدر آباد شاخ : 5-4-435/20 گرین ہاؤس، اسٹیشن روڈ، نام پلی اسٹیشن روڈ، حیدر آباد۔500002

اے. آر. فتیحی

ہندستان کا نیا لسانی منظر نامہ

زبان ایک معاشرتی مظہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لسانی تبدیلیاں سماجی حالات میں تغیر و تبدل کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ گویا سماجی فکر کا اثر براہ راست زبان پر پڑتا ہے۔ زبان کی ساخت و پرداخت میں مختلف سماجی عوامل برابر کام کرتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے زبان ایک تہذیبی ادارہ بن جاتی ہے۔

ہندستان کا لسانی منظر نامہ

گذشتہ پچاس برسوں میں ہندستان کے لسانی منظر نامے میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں وہ ہندستان کے تغیر پذیر سماجی حالات و فکر کا نتیجہ ہیں۔ آزاد ہندستان کی پچاس سالہ لسانی تاریخ کو اگر ہم بخوبی سمجھنا چاہیں تو ہمیں ہندستان کے لسانی مزاج کو دو کلیدی زمروں میں تقسیم کرنا ہوگا:

(1) لسانی توقیر کا زمانہ (Linguistic Elitism)

(2) تکثیریت کا زمانہ (Era of Mass Culture)

لسانی توقیر

ہندستان کی لسانی تاریخ کا پہلا دور اعلیٰ، معیاری اور خالص زبان کا دور تھا۔ اس دور میں زبان کے اصول و قواعد کی سختی سے پابندی کی گئی اور معیاری زبان کو اعلیٰ طبقے کی علمیت اور لسانی تفاخر کی علامت تصور کیا گیا۔ اس عہد کے اس مخصوص لسانی مزاج کی وجہ سے زبان کی معیار بندی پر خاص توجہ دی گئی اور لسانی انحرافات سے گریز کیا گیا۔ اس مخصوص لسانی مزاج نے لسانی وحدت کے ایک ایسے تصور کو ابھارا جس میں لسانی تکثیریت کے تصور کو قطعی طور پر نظر انداز کیا گیا اور لسانی تکثیریت کو قومی مفاد کے منافی سمجھا گیا کیوں کہ اس تصور کے مطابق لسانی تکثیریت، لسانی کشاکش کا سبب بنتی ہے۔ یہ لسانی تصور لسانی وحدت کے مغربی لسانی تصور سے مکمل ہم آہنگی رکھتا ہے جہاں لسانی تکثیریت کو ہمیشہ قومی مفاد کے منافی سمجھا جاتا ہے۔ اس لسانی تصور کے زیر اثر فرگوسن (Ferguson) نے 1959 میں زبانوں کو دو خانوں یعنی ارفع اور ادنیٰ میں تقسیم کرکے ہندستان کی ابتدائی لسانی صورت حال کے مماثل کر دیا۔ مثلاً جدوجہد آزادی کے دوران خالص زبان کے قائل سیاسی قائدین علاقائی زبانوں کے مقابلے میں مخصوص اعلیٰ اور معیاری زبانوں کا استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ اس زمانے کے سیاسی نعروں اور پیغاموں میں اعلیٰ سطح کی لسانی توقیر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس دور کے قائدین مثلاً جواہر لال نہرو یا ابوالکلام آزاد کی سیاسی تقریریں (Political Discourse) لسانی توقیر (Linguistic Elitism) کی عمدہ مثالیں ہیں۔ تقریباً یہی کیفیت سیاسی نعروں مثلاً "انقلاب زندہ باد" میں بھی نظر آتی ہے۔ "انقلاب زندہ باد" جیسا سیاسی نعرہ Linguistic Etilism کی عمدہ مثال پیش کرتا ہے۔

دورِ تکثیریت

اس کے برعکس آزاد ہندستان کی لسانی تاریخ کا دوسرا دور تکثیریت اور مقبول عام لب و لہجے کا دور ثابت ہوا۔ اس دور کی سیاسی تقریروں اور تحریروں پر اس نئے لسانی رجحان کے اثرات کے نقوش واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ اس دور کے ڈسکورس کے لغوی سرمائے پر نظر ڈالنے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اس میں مستعاریت (Borrowing) اور Nativitiy کا عمل یکساں طور پر جاری و ساری ہے۔ لالو پرشاد اور ملائم سنگھ جیسے سیاسی قائدین کی تحریروں اور تقریروں میں علاقائی لب و لہجے کے ساتھ مستعاریت کا بھی عمل صاف نظر آتا ہے۔

گلوبلائزیشن، لبرلائزیشن اور اطلاعاتی انقلاب کے مختلف محرکات نے کثیر لسانیت یا تکثیریت کے راستے ہموار کیے ہیں۔ اس دور میں متعدد سیٹلائٹ چینل وجود میں آئے جو چوبیسوں گھنٹے ہندستان کی لسانی رنگارنگی کو ظاہر کرتے ہیں۔

لسانی تکثیریت کا یہ زمانہ لسانی جمہوریت کے کردار کا شاخسانہ ہے جہاں ہر قسم کے لسانی اختلافات ختم ہو چکے ہیں۔ نتیجتاً اقلیتی لسانی جماعتوں میں عدم تحفظ کا احساس اس قدر کم ہو گیا ہے کہ وہ باہمی ارتباط میں بڑی زبانوں کے استعمال سے گھبراتے نہیں ہیں۔ کسی جماعت کی مثبت شناخت اس طرح بنتی ہے کہ وہ لسانی اختلاط سے کام لے۔ اقلیتی لسانی جماعتیں اپنی ذولسانی پالیسی کی بنا پر اپنی اچھی شناخت بنا سکی ہیں۔ مثال کے طور پر اردو آبادی میں ذولسانیت کی سطح 37.9 فی صد ہے۔ یہ سطح قومی اوسط 19.44 فی صد سے کہیں زیادہ ہے۔ ان اعداد و شمار سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مختلف لسانی جماعتوں کے درمیان باہمی لسانی اختلاط و ارتباط کس قدر ہے نیز اردو بولنے والوں کے متعلق نام نہاد لسانی دانشوروں کے عام خیالات اور حقائق میں کتنا تفاوت ہے۔ اردو بولنے والوں میں ذولسانیت کی سطح کی صحیح نمائندگی کے علم کے لیے یہاں ایک صوبہ جاتی چارٹ مثال کے طور پر دی جا رہی ہے۔ اس

سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اردو بولنے والے بغرض رابطہ علاقے کی بڑی زبانوں کا استعمال بلاخوف وخطر کرتے ہیں۔

چارٹ: اردو آبادی میں ذولسانیت

زبان	ذولسانیوں کی تعداد	فی صد
آندھرا پردیش :		
انگلش	447057	8.0
ہندی	195166	3.5
تیلگو	2115103	38.0
آسام :		
آسامی	884	22.4
انگلش	166	4.2
ہندی	990	25.1
بہار:		
انگلش	129,710	1.5
ہندی	1635654	19.1
گجرات :		
گجراتی	197770	36.1
ہندی	97147	17.5
کرناٹک :		
انگلش	202136	4.5
کنڑ	1951487	43.5
ہندی	157335	3.5
مدھیہ پردیش :		
انگلش	68636	5.5
ہندی	541958	44.1
یوپی :		
انگلش	190783	1.5
ہندی	2334912	18.6

دوسری طرف ہندستان کی بڑی زبانیں بولنے والوں کے درمیان ذولسانیت کی شرح قومی اوسط سے بھی پیچھے ہے۔ تمل، اڑیہ، بنگلہ اور ہندی بولنے والوں میں ذولسانیت کی سطح مطابق ذیل ہے۔

چارٹ: غیر اردوداں طبقے میں ذولسانیت

تمل	18.74 فی صد
اڑیہ	15.94 فی صد
بنگلہ	13.09 فی صد
ہندی	11.01 فی صد

مندرجہ بالا اعداد و شمار سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ محض اقلیتی لسانی جماعتوں نے علاقے کی بڑی زبانوں کے استعمال کی اہمیت کو سمجھا ہے۔ نتیجتاً ان میں ذولسانیت کی شرح میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔

ہندستان کی بڑھتی ہوئی ذولسانیت کے سبب نئے لسانی ڈھانچے (Discourse Patterns) ابھر کر سامنے آئے ہیں۔ لسانی مستعاریت یا Code-mixing جو کچھ عرصہ پہلے تک شہری طریقۂ گفتگو تک محدود تھی قبول عام پاتی جارہی ہے۔

ہندستان کی بڑھتی ہوئی ذولسانیت نئے انداز گفتگو (Discourse Pattern) کو تشکیل دے رہی ہے۔ اس سے یہ بھی پیغام ملتا ہے کہ سماجیات کے ماہرین کو چھوٹے (Macro) اور بڑے (Micro) پیمانے پر ان سماجی تبدیلیوں کے مطالعے کے لیے مؤثر طریقۂ کار ڈھونڈنے ہوں گے تاکہ اس نئے لسانی مزاج کا بھرپور مطالعہ پیش کیا جاسکے۔ ظاہر ہے کہ لسانی تکثیریت کے اثرات کو زبان کی سماجی فکر کی مدد کے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا۔ ہندستانی سماج لسانی تکثیریت کے جذبے سے سرشار ہے کیوں کہ ذرائع ابلاغ اسے ایسا کرنے میں مدد بہم پہنچارہے ہیں۔ ذرائع ابلاغ اور بازار کا انداز گفتگو جدید تر، جاذب نظر اور Codemixed ہے۔ اس نکتے کی مزید وضاحت کے لیے ہم ذرائع ابلاغ اور بازار کے مختلف میدانوں سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

1- یہ ہے رائٹ چوائس بے بی (Right Choice baby) (اشتہار)
2- یہ دل مانگے مور (more) (اشتہار)
3- سنڈے ہو یا منڈے روز کھاؤ انڈے (اشتہار)
4- طاقت، شکتی اور پھرتی کے لیے (اشتہار)
5- لو (Love) کے لیے کچھ بھی کرے گا (فلم کا نام)
6- ہم نے یہ پروو (Prove) کیا ہے (گفتگو سے اقتباس)
7- ہم لوگ اسے جوائنٹلی (Jointly) کرسکتے ہیں۔ (گفتگو سے اقتباس)

ان مثالوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ محسوس کیا جاسکتا ہے کہ ذرائع ابلاغ اور بازار کا انداز گفتگو ترسیلی آسانیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ ترسیلی آسانیاں (Communicative Ease) بازار اور ذرائع ابلاغ (Media and Market) کی زبان کے لیے منافع بخش ثابت ہوتی ہیں کیونکہ

انگریزی الفاظ کا استعمال ایسے ترسیلی اشارے پیش کرتا ہے جس سے ترسیل کا عمل آسان ہو جاتا ہے۔ "یہی ہے رائٹ چوائس بے بی" جیسا اشتہار نہ صرف ہندی اردو علاقے میں بلکہ تمل، تلگو، کنڑ اور ملیالم علاقوں میں بھی بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ یعنی انگریزی کے بڑھتے استعمال سے ترسیلی آسانی پیدا ہوتی ہے جو ایک کارگر ترسیل کے لیے معاون ثابت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشتہار کی زبان میں انگریزی الفاظ کا استعمال عام ہوتا جارہا ہے۔

یہ عمل ممکنہ طور پر اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ آج خالص زبان کی طرف زیادہ توجہ کیوں نہیں دی جاتی ہے۔ دراصل ترسیل کی لاگت کم کرنے کی غرض سے لسانی اصول و قواعد کی پابندی سے احتراز کیا جاتا ہے۔ آج کے اس دور میں جب کہ Code-mixing، اشتہار کی زبان، ٹی وی اشتہارات، سینما، ٹی وی سیریل اور ٹی وی چینل جیسے ابلاغ کی ذرائع میں مقبول ہوتی جارہی ہے، عوام میں اس کی مقبولیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اشتہار کی زبان اور ٹی وی چینل کی سرپرستی کی وجہ سے اس code-mixed غیر معیاری مگر مقبول عام انداز گفتگو کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ٹیلی ویژن اور اشتہار کی سند ملنے کی وجہ سے اس طریقۂ گفتگو (Discourse Pattern) کی عزت و وقار میں اضافہ ہوا ہے۔

ذرائع ابلاغ اور بازار کے نئے ابھرتے ہوئے طریقوں میں جو جدتیں اور تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں ان کی شکلوں کو مرکز گریز اور مرکزجو طاقتوں کی کھینچ تان ہی منظم کرتی ہے۔ لسانی اصول زبان کی غلطیوں کو ضرور درست کرتے ہیں لیکن وہ اصول خود تبدیلیوں سے مبرا نہیں ہوتے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ زبان کی مرکز گریز اور مرکزجو دونوں طاقتیں ایک دوسرے پر اثرانداز ہو کر ترسیلی ڈھانچے کو ہموار کرتی ہیں۔

خلاصے کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ لسانی تکثیریت فطرتاً ایک ایسی بوقلموں شے ہے کہ جس کے ہاتھ میں پہنچتی ہے اسی کی خواہش کے مطابق رنگ و شکل تبدیل کر لیتی ہے۔ زبان کی اس تبدیل ہو جانے والی کیفیت کی بات اس لیے کی جارہی ہے کہ لسانی تکثیریت کے اثرات بہت پیچیدہ اور متحرک ہوتے ہیں جو محض اس کے استعمال کرنے والوں کو ہی دکھائی دیتے ہیں۔

(انگریزی سے ترجمہ: ملک راشد فیصل)

خسرو شناسی

مرتبین: ظ انصاری، ابوالفیض سحر

حضرت امیر خسرو دہلوی کی سات سو سالہ تقریبات کے موقع پر لکھے گئے اہم مضامین جو حضرت امیر خسرو کی ہمہ جہت شخصیت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔

تیسرا ایڈیشن

ڈیمائی، 368 صفحات، قیمت 80 روپے

چکبست

رام لال نابھوی

پنڈت برج نرائن چکبست کی شاعری قوم پرستی اور حب الوطنی کے جذبات کا فنکارانہ اظہار ہے۔ وہ شعر گوئی ہی کی طرح نثر نگاری پر بھی قادر تھے اور صحافت سے بھی انھیں شغف رہا۔ اس کتاب میں ان کی سبھی خصوصیات کا احاطہ کیا گیا ہے اور ہر شعبے میں ان کے امتیازات کو نمایاں کیا گیا ہے۔

ڈیمائی، 191 صفحات، قیمت 18 روپے

تامل ناڈو میں اردو

مولف: علیم صبانویدی

تاملناڈو میں اردو زبان و ادب کے آغاز و ارتقا کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ اس کتاب میں اس تاریخ کے اہم گوشے اہم شخصیتوں کے حوالے سے اجاگر کیے گئے ہیں۔

ڈیمائی، 436 صفحات، قیمت 135 روپے

جوش ملیح آبادی۔ شخصیت اور فن

مصنف: ظفر محمود

جوش ملیح آبادی کی شخصیت اور شاعری پر مختلف قسم کی رائیں ظاہر کی گئی ہیں جو مثبت بھی ہیں اور منفی بھی لیکن ان کی قوت بیانیہ کا اعتراف سبھی کو ہے۔ اس مختصر کتاب میں ان کی شاعری اور شخصیت پر غیر جانبدارانہ گفتگو کی گئی ہے۔

دوسرا ایڈیشن

ڈیمائی، 108 صفحات، قیمت 38 روپے

جی. ڈی. چندن

اردو میڈیا اور نئے چیلنج

میڈیا کے منظر نامے کی موجودہ تبدیلیوں کا سب سے بڑا سبب نئی انفارمیشن ٹیکنالوجی ہے جس نے صحافت اور ذرائع ابلاغ کی نوعیت، سرشت اور صلاحیت میں ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔ اس سے الیکٹرانک میڈیا کی یکسر نئی صنف وجود میں آگئی ہے جس کا دامن انٹرنیٹ، آن لائن جرنلزم اور ویب سائٹ کی طلسمی ایجادوں سے مالا مال ہے۔ ان آلات کی بدولت آپ کو اپنے کمرے ہی میں ایک بٹن دبانے سے آنکھ جھپکتے اپنے کمپیوٹر کے اسکرین پر دنیا بھر کی تازہ ترین خبریں اور دیگر معلومات میسر آسکتی ہیں۔

یہ جدت اپنی خدمات کے اعتبار سے نہایت ہوش ربا ہے۔ ہماری علاقائی زبانوں کے اکثر مدیروں نے اس کی آمد پر جوش اور ہیجان کا مظاہرہ کیا ہے لیکن اس کے کام کاج میں کچھ ایسے ٹیکنیکل مرحلے ہیں جو اُن کے معمول اور روایتی کام سے یکسر الگ اور انوکھے ہیں۔

ہندستان میں اس ایجاد کی آمد پچھلی صدی کے اواخر میں ہوئی لیکن مغرب میں اس کا رواج اس سے قبل ہو چکا تھا۔ بظاہر یہ صحافت کی ایک معرکہ خیز پیش رفت تھی لیکن یہ ایسے ٹیکنیکل مراحل کی حامل تھی جو روایتی صحافت کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھے۔ ان سے نمٹنے کے لیے ہماری تقریباً تمام علاقائی زبانوں نے اس ٹیکنالوجی کی آمد کے بعد اسے اپنانے کے اقدام کیے۔ ہر زبان کے لیے اس کا اپنا شافٹ سافٹ ویئر اور زبان دوست اصطلاحات کا ذخیرہ کچھ ایسے مرحلے ہیں جو نئے چیلنجوں کا ماحول پیدا کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں سرکاری یا نجی سطح پر ابھی تک کوئی ایسا منصوبہ سامنے نہیں آیا جو ملک کی تمام آئینی زبانوں کے متعلقہ مسائل پر منظم اور جامع تدبیروں کا احاطہ کرے۔ اردو زبان دیگر دیسی زبانوں کے مسائل سے ہم رشتہ ہوتے ہوئے کچھ مخصوص پہلوؤں اور مسائل کی بھی حامل ہے۔

اس زبان کی صحافت برصغیر کی ایک قدیم ترین صحافت ہے جس کی عمر اب تقریباً 180 سال ہو رہی ہے۔ یہ برصغیر کی تمام لسانی صحافتوں میں بنگالی کے بعد دوسرے مقام پر ہے۔ لیکن بنگلہ صحافت کے مقابلے میں اس کا دائرۂ عمل زیادہ وسیع اور زیادہ جامع رہا ہے۔ دونوں ہندستانی صحافت کے مشترکہ جنم بھوم کلکتہ میں 19ویں صدی کے اوائل میں پیدا ہوئیں لیکن اردو صحافت مشرق میں اپنے طلوع کے بعد، دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے شمال، جنوب اور مغرب میں بھی منفرد علاقائی خصوصیات کے ساتھ جاری وساری ہو گئی۔

اردو کا مزاج ابتدا ہی سے حریت پسند اور انقلاب آفریں تھا جو اسے اپنے پیش رو اردو شعرا اور ہم عصر فارسی اخبارات سے ملا تھا۔ اس کے کئی بزرگ اردو شعرا نے فرنگی راج کی برملا مخالفت کی۔ طوالت کے خوف سے میں یہاں ان کے اشعار پیش نہیں کر رہا ہوں۔ صرف ایک شعر پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں جو 19ویں صدی کے اوائل میں برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کی، جو بظاہر تجارت لیکن حقیقتاً سیاسی شاطری کر رہی تھی، لوٹ کھسوٹ کے پس منظر میں شیخ غلام ہمدانی مصحفی نے (وفات تقریباً 1825ء) کہا تھا:

ہندوستاں کی دولت و حشمت جو کچھ کہ تھی
کافر فرنگیوں نے بہ تدبیر کھینچ لی

اس ایک شعر سے 1857ء سے بھی 40 سال قبل کے ہمارے ایک شاعر کی دوربینی، وطن دوستی اور دانشوری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

غیر ملکی تسلط سے بیزاری اور ذہنی بغاوت کی اسی روایت کی نسبت سے ملک کا پہلا صحافی جسے شہادت کا تاج نصیب ہوا "دہلی اردو اخبار" کا ایڈیٹر مولوی محمد باقر تھا جس نے نہ صرف اپنی تحریروں سے 1857ء کی عظیم بغاوت کی زمین تیار کی بلکہ قومی حکومت کے اس وقت کے ہندستان کے فوجی اور شہری باغیوں کے متفقہ رہنما بہادر شاہ ظفر کی عملی مدد کی۔ ایسی مجاہدانہ سرگرمیوں اور قربانیوں کا سلسلہ اگست 1947ء میں حصولِ آزادی تک جاری رہا۔ اس دوران میں اردو صحافت نے نہ صرف سیاسی بیداری اور قومی تحریکوں میں رہبرانہ کردار ادا کیا بلکہ اپنے مدیروں کی درخشاں صفوں سے ملک کو لالہ لاجپت رائے، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی، مولانا حسرت موہانی اور لالہ دیش بندھو گپتا ایسے قومی لیڈر بھی عطا کیے جو تقریباً سب کے سب مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو اور سردار پٹیل کے شانہ بہ شانہ حصولِ آزادی کی جدوجہد میں شریک رہے۔

آزادی کی تحریک کئی پیچیدہ اور نازک مرحلوں سے گزری۔ ہر مرحلے میں اردو اخبار پیش پیش رہے۔ اس صحافت کی اہمیت کا عالم یہ تھا کہ 20ویں صدی کے تیس اور چالیس کے فیصلہ کن دہوں میں ملک کی تقریباً ہر اہم سیاسی اور سماجی جماعت نے اردو میں اپنا اخبار نکالنا ضروری سمجھا۔

اپنے آخری مرحلے میں یہ تحریک فرنگی راج کی تقسیم پرور حکمتوں سے مذہب کی بنیاد پر استوار کیے گئے دو قومی نظریے سے وابستہ ہو گئی اور اس راج

نے ملک کی آزادی واپس کرنے کے ساتھ اسے دو حصوں میں تقسیم بھی کر دیا۔ یہ تقسیم ملک کی دو سر کردہ اور نمائندہ سیاسی جماعتوں کے اتفاق سے ہوئی تھی لیکن آزادی ملنے کے فوراً بعد بعض اہلِ اقتدار نے اردو زبان کو ایک مذہب اور فرقے سے جوڑنے کی من مانی اور نا مبارک روش سے کام لیتے ہوئے چند شکوک اور تعصبات کو فروغ دیا اور اپنی ریاستوں کے اسکولوں میں ابتدائی سطح پر اردو زبان کی تعلیم کی سہولتیں مہیا کرنے کے اقدام نہ کیے۔ اس سے وہ نئی نسل جس کی مادری زبان اردو تھی، تعلیم کی خاطر خواہ تحصیل سے محروم ہو گئی۔ اس محرومی سے نہ صرف اردو سماج میں ناخواندگی بڑھی بلکہ اردو اخبارات کے قارئین کی تعداد روبہ زوال ہو گئی۔ اردو اخباروں کی مانگ اور مقبولیت کم تر ہوتی گئی اور کئی پرانے اخبار یا تو بند یا خستہ حال ہو گئے۔ ملک کی تقسیم کا غالباً سب سے زیادہ نقصان اردو زبان اور اس کی ترجمان صحافت کو ہوا۔

وقت گزرنے کے ساتھ اس کے قدم سنبھل گئے۔ ملک میں سیکولر جمہوری آئین کے نفاذ، سیاست اور قیادت میں قدروں کے نئے ادراک، 1971ء کی سرحدی جنگ میں ہندستان کی فتح اور اردو کی ترقی سے متعلق گجرال کمیٹی کی رپورٹ نے منظر نامہ بدل دیا اور اردو اپنی اندرونی قوت کی بدولت اپنی اہمیت منوانے لگی۔ کہانی بہت لمبی ہے لیکن یہاں میں اس کی تازہ ترین صورت حال پیش کرنا چاہتا ہوں جو اس کے نئے جنم کے 53 سال بعد کا خاکہ ہے۔

پریس رجسٹرار کی تازہ ترین سرکاری رپورٹ (مجریہ 2000ء) کے مطابق آج ہر صبح ملک کے کم از کم 38 لاکھ لوگوں کے ہاتھ میں اردو کا کوئی نہ کوئی روزنامہ ہوتا ہے۔ تیس لاکھ سے کچھ زائد لوگ اردو ہفت ناموں سے مستفید ہو رہے ہیں اور اردو کے تمام وقفوں کے اخباروں اور رسالوں کا مجموعی سرکولیشن 80,28,072 ہے۔ (پریس ان انڈیا 2000۔ ص-23)

ملک کی سولہ ریاستوں اور ایک یونین علاقے سے اردو کے اخبار نکل رہے ہیں۔ ان میں سے آندھرا پردیش، دہلی اور مہاراشٹر کے بعض اخبار غیر ممالک میں برآمد ہوتے ہیں۔ تقریباً نصف درجن اخباروں کے اپنے ویب سائٹ اور ایکسٹرانک میل کے نظام ہیں اور بعض اخباروں کے خصوصی انٹرنیشنل ایڈیشن شائع ہو رہے ہیں۔

یہ حقائق مظہر ہیں کہ یہ صحافت، محدود طور پر ہی سہی، جدید ٹیکنالوجی کے میڈیا سے آنکھیں ملا رہی ہے۔ اس کا ایک منفرد امتیاز یہ ہے کہ اس کے پاس اردو ہی میں تازہ ترین خبریں بہم پہنچانے والی نیلی پرنٹر ایجنسی ہے جس کی بدولت یہ صحافت ترقی یافتہ انگریزی اور ہندی ہم عصروں کے ہم رکاب ہو گئی ہے۔ پھر اس کے پاس اپنا سافٹ ویئر ہے اور یہ کمپیوٹر کی ایجادوں اور ضرورتوں سے رفاقت کر رہی ہے۔ لیکن یہ خصائص خال خال ہویدا ہیں۔ بہ حیثیتِ مجموعی اردو صحافت ٹیکنک اور مارکیٹ کے جدید معیاروں اور تقاضوں کے ہم پلہ نہیں ہے۔ میڈیا کے قومی قافلے میں یہ اپنی محدودیتوں کی وجہ سے مساوی رفیقِ سفر نہیں ہے۔

پریس رجسٹرار کی متذکرہ رپورٹ میں مندرج اس کے 2820 کے میزان میں صرف ایک ایسا اخبار ہے جو اخبارات کے "بڑے" زمرے (اشاعت فی شمارہ 75001 سے اوپر) کی صرف دہلیز تک پہنچ سکا۔ صرف 121 "میڈیم" یا متوسط (اشاعت فی شمارہ 25001 تا 75000) زمرے میں آسکے۔ باقی سب چھوٹے (اشاعت فی شمارہ ایک تا 25000) اخباروں کے زمرے میں شامل ہیں۔ کل تعداد میں سے صرف 475 نے اپنے سرکولیشن کے بارے میں اعداد فراہم کیے۔ سرکاری رپورٹ میں اصرار سے کہا گیا ہے کہ یہ اعداد حتمی نہیں بلکہ اشاراتی اور رجحان نما ہیں۔ "چھوٹے" زمرے کے اندر بھی چار ذیلی گروپ ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(الف) 15,001 تا 25,000

(ب) 5,001 تا 15,000

(ج) 2,001 تا 5,000 اور

(د) فی اشاعت 2000 تک

قیاس ہے کہ اردو پریس کے "چھوٹے" زمرے کا غالب حصہ متذکرہ دو موخر گروپوں میں محصور ہے یعنی یہ اخبار فی اشاعت پانچ ہزار یا دو ہزار کی حد تک اندر چھپتے ہیں جن میں سے فروخت شدہ تعداد اور بھی کم ہوگی۔ کم اشاعتی کوئی عیب تو نہیں ہوتا اور اس سے اخبار کے اظہار کی پرواز میں کوئی کوتاہی نہیں آتی لیکن یہ اخبار کے پیشہ ورانہ تقاضوں کی تکمیل میں نت نئی مشکلات اور پریشانیاں پیدا کرتا رہتا ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی انقلابی تدبیروں کی موجودہ ریل پیل میں ان اخباروں کی دشواریوں میں اضافے پر اضافہ ہوتا جا رہا ہے لیکن ملک کی جمہوریت کا یہ چوتھا ستون منہ پھلائے بیٹھا اپنے نجات دہندہ کا انتظار کر رہا ہے۔ کسی ذمے دار سطح پر اس کی ابتری کو روکنے کی ابھی تک کوئی منصوبہ بند تدبیر سامنے نہیں آئی۔ صرف ایک ٹیلی پرنٹر اردو نیوز سروس دستیاب ہے جس کے کرایے کا نصف حصہ وزارت فروغ انسانی وسائل کی قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان بطور امداد پیش کرتی ہے لیکن اس سروس کی کارکردگی محدود ہے اور یہ واقعات حاضرہ کی رپورٹنگ سے زیادہ منتخبہ انگریزی خبروں کے ترجمے ہی پر اکتفا کرتی ہے۔ اس کا اہتمام قریب پانچ سال سے چل رہا ہے لیکن اس سے ہماری صحافت کے

مصائب یا مسائل ختم نہیں ہو جاتے بلکہ صرف اس کی دشواریوں کا اعلان ہوتا ہے۔ دراصل یہ کام وزارت اطلاعات و نشریات کا ہے جسے اس پر سنجیدہ اور بھرپور توجہ دینا ہوگی۔ صرف اردو ہی نہیں بلکہ تمام علاقائی زبانوں کے اخبارات اس توجہ کے طالب ہیں۔

اعلا ترین سرکاری سطحوں پر چھوٹے اور متوسط اخباروں سے ہمدردی جتانے اور ان کے حالات سدھارنے کے بار بار اعلانات کیے جاتے ہیں لیکن ان اعلانات کو شرمندۂ عمل کرنے کے لیے آج تک کوئی ایسی میڈیا پالیسی پیش نہیں کی گئی جس میں علاقائی / لسانی پریس کی منظم ترقی اور پیشہ ورانہ بہتری کی تعمیری اور دیرپا تدبیریں بطور خاص شامل کی گئی ہوں۔

دوسرے پریس کمیشن نے اپنی رپورٹ میں، جو آزادی کے تقریباً تیس سال بعد پیش ہوئی، برملا کہا تھا کہ گذشتہ دہائیوں میں پریس کی جو ترقی ہوئی ہے اس کا فائدہ بیش تر بڑے تجارتی اداروں اور چند مستحکم تجارتی خاندانوں ہی کو ہوا ہے۔ چھوٹے اخبار اپنی پسماندگی اور غربت کی وجہ سے یا تو اس دوڑ میں شریک ہی نہیں ہو سکے یا اگر کوشش کی تو تھوڑا ہی راستہ چل کر دم توڑ دیا۔ ان کی اقتصادی مشکلات ان کی راہ میں حائل ہوتی رہیں۔ اب ان میں اور تجارتی اداروں کے بڑے اخباروں میں خلیج اتنی وسیع ہو گئی ہے کہ وہ کسی بنیادی اور منظم امداد کے بغیر سر نہیں اٹھا سکتے۔

ان کی پسماندگی محض اشتہاروں اور نیوز پرنٹ کی چند سہولتوں سے دور نہیں ہو سکتی بلکہ حکومت کے تخمینوں میں ہر لسانی پریس کو چھوٹے پیمانے کی ایک صنعت کا درجہ دیا جانا چاہیے اور مستحق اخباروں کو جدید مشینری، اس کے لیے فاضل کل پرزے، دفتر کی عمارت، ٹیلی پرنٹر ایجنسیوں کی خبروں کی خریداری (جس کا آغاز فروغ اردو کی قومی کونسل کی طرف سے ہو چکا ہے) اخبار کی وسیع تر تقسیم کے انتظامات اور نیوز پرنٹ وغیرہ کی بڑھتی ہوئی قیمتوں پر قابو پانے کے لیے لمبے اور چھوٹے عرصے کے کم سود کے قرضے ملنا چاہئیں۔ ان کے علاوہ مرکزی وزارت اطلاعات و نشریات کی موجودگی صحافتی سہولتوں کے ساتھ ساتھ اس کے ماس کمیونی کیشن کے ادارے کو فروغ اردو کی قومی کونسل اور ریاستی اردو اکادمیوں کے اشتراک سے دیگر علاقائی زبانوں کے صحافیوں کے ساتھ باقاعدگی سے، کم از کم سال میں ایک بار تربیتی ورکشاپوں اور ریفریشر کورسوں کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس کی مدد سے لسانی تال میل کی منزل کا حصول آسان ہو سکتا ہے۔

میں اردو اخباروں کی ریڈرشپ پر اپنے ایک خصوصی سروے کے نتائج کا خلاصہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس سروے سے معلوم ہوا کہ آزادی کے 50 سال بعد گولڈن جوبلی سال میں ملک کے ہر 2,309 لوگوں کا ایک گروہ اردو کا صرف کوئی ایک اخبار یا رسالہ خرید رہا تھا اور روزناموں کی صورت میں 5,428 لوگوں کا ایک گروہ روزانہ صرف ایک اخبار حاصل کر رہا تھا۔

اس سرد بازاری کی تہ میں اردو قارئین کی بے مہری اس مسئلے کا یقیناً ایک حوصلہ شکن پہلو ہے لیکن اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ان اخباروں سے قارئین کو وہ مواد نہیں ملتا جس کی آج کے دور میں طلب ہے۔ یہ دور کثیر لسانی قاری کا دور ہے اور اس میں اخبار خریدنے کا شوق اور حوصلہ بھی ہے لیکن وہ اسی زبان کے اخبار کو خریدنے کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہے جو اس کے لیے جاذب توجہ ہو۔

جمہوریت میں چھوٹے اخباروں کو بھی زندہ رہنے کا پورا حق اور اختیار ہے بلکہ سماج کے رائے ساز طبقوں اور عوام الناس کو ایک دوسرے کے نزدیک لانے، گردو پیش کی مفاہمت بڑھانے اور شہریت کی ضرورتوں اور تقاضوں کا شعور وسیع کرنے کے لیے یہ نہایت اہم معاون ہیں۔ خواندگی کی شرح میں اضافے اور نئے شہری کلچر کے بڑھتے ہوئے اثرات کی وجہ سے ان کا کردار پہلے سے زیادہ اہم ہو گیا ہے۔ □□□

G-46, Jangpura Extension, New Delhi

جوابات: کھیل، کود (کوئز) :

1-د 2-ب 3-د 4-ب 5-د 6-ج 7-ج 8-د 9-ج 10-ب 11-د

12-د 13-الف 14-ب 15-ج 16-ج 17-ج 18-الف 19-ب 20-ج 21-د 22-د

23-ج 24-الف 25-ج 26-د 27-ج 28-ج 29-الف 30-ب 31-ج 32-ج 33-الف

34-د 35-د 36-الف 37-ب 38-الف 39-ج 40-ج 41-ب 42-ج 43-ج 44-د

45-ج 46-ج 47-د 48-الف 49-ج 50-د

ابوالفیض سحر

اردو کی ترقی کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں

تقسیم ملک کے بعد 'اردو' ہندستان میں نچلی اور اعلیٰ دونوں سطحوں پر ایک طرف ایک خاص قسم کی متعصب و مخالف ذہنیت اور دوسری طرف خود اردو والوں کی بے حسی اور بے عملی کی وجہ سے، انتہائی نامساعد حالات سے دوچار رہی۔ ادھر کچھ بیداری پیدا ہو رہی ہے مگر 55 سال کی مجرمانہ غفلت کے بعد یہ بہت ناکافی ہے۔ ہم اردو کی حقیقی بقا اور ترقی کے لیے خود سے بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اپنی زبان اور تہذیب و ثقافت کی بقا اور تحفظ کے سلسلے میں جو کہ ہمارا پیدائشی اور آئینی حق ہے اور شہری ذمے داری بھی، اگر ہم جذباتی وابستگی کے ساتھ نہ سوچیں، دردمندانہ توجہ نہ کریں اور سچی لگن سے کام نہ کریں تو ہماری قومی تہذیبی تاریخ میں ہمارے وجود کا ثبوت، افراد کا اور اداروں کا بھی، اردو کے سیاہ قتل نامے پر سرخ دستخط کے نشان کے سوا کچھ اور نہ ہوگا۔

1۔ منظر جو، اب پس منظر ہے

سنہ 1969ء کی بات ہے لوک سبھا کے ایک فیصلے کے مطابق یونین پبلک سروس کمیشن (Union Public Service Commission) کے آئی اے ایس (IAS) وغیرہ کے امتحانات کے لیے انگریزی کے علاوہ ہندستان کی قومی زبانوں کے استعمال کے تعلق سے ایک تجرباتی اور تحقیقاتی کام کرنے کے لیے یو۔ پی۔ ایس۔ سی (UPSC) نے سارے ہندستان سے زبانوں کے ماہرین کا انتخاب کیا۔ اسی عرصے میں حکومت ہند نے ہندستان کی ساری قومی زبانوں کی ترقی کے لیے ایک ایک کروڑ روپے منظور کیے۔ چونکہ آزاد ہندستان کی ریاستیں، لسانی بنیادوں پر بنائی گئی ہیں اس لیے یہ رقم متعلقہ ریاستوں کو دے دی گئی اور انھوں نے اپنی اپنی زبانوں کی ترقی کا کام کرنے کے لیے دفاتر، اکادمیاں، ادارے قائم کیے اور یہ کام شروع کر دیا۔ مگر اردو کی چوں کہ کوئی ریاست نہیں تھی اس لیے یہ رقم کسی بھی ریاست کو نہیں دی جا سکی۔ ریاست جموں و کشمیر کی سرکاری زبان اردو ہے اس لیے اس سلسلے میں متعلقہ ذمے داروں سے گفتگو کی گئی تو انھوں نے بعض وجوہ سے یہ ذمہ داری قبول نہیں کی اور یہ کام سرانجام دینے سے معذرت کر لی۔ آخر میں بہت سوچ سمجھ کر یہ ذمے داری، مرکزی حکومت کی وزارتِ تعلیم نے قبول کر لی اور اردو کی ترقی کے لیے کام کرنے کے ضمن میں ہندی کے لیے ایسا ہی کام کرنے والے ادارے سنٹرل ہندی ڈائریکٹریٹ (Central Hindi Directorate) میں ایک سیل قائم کر دیا۔ اس کے لیے پہلے شہباز حسین کا تقرر ہوا پھر میرا تقرر عمل میں آیا۔ کچھ ہی دنوں بعد اپنے عملی کام کے تجربے کی روشنی میں ہم نے سنٹر ہندی ڈائریکٹریٹ سے نکل کر اپنے لیے ترقی اردو بورڈ کا علیحدہ دفتر قائم کر لیا گیا جو ایک سرکاری ادارے کی حیثیت سے 1995ء تک کام کرتا رہا بعد میں اسے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے نام سے ایک خود مختار ادارے میں تبدیل کر دیا گیا۔

محترمہ اندرا گاندھی کی وزارتِ عظمیٰ کے دنوں میں ان کی خصوصی دلچسپی اور توجہ سے مرکز کے علاوہ ریاستوں میں بھی اردو کی بقا اور ترقی کے لیے کام کرنے کے لیے ایسے اداروں کے قیام کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ اترپردیش اردو اکادمی کا قیام عمل میں آیا پھر بہار اردو اکادمی بنی اس کے بعد آندھرا پردیش اردو اکادمی قائم ہوئی پھر دہلی اردو اکادمی وغیرہ۔ اس طرح یہ سلسلہ جاری رہا اور 13 ریاستوں میں 13 اکادمیاں قائم ہوئیں۔ پچھلے دنوں تمل ناڈو میں بھی تمل ناڈو اردو اکادمی قائم ہو گئی ہے۔

2۔ قومی اردو کونسل اور ریاستی اردو اکادمیاں

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان (NCPUL) اور ریاستی اردو اکادمیاں اپنے اپنے دائروں میں بڑی حد تک آزاد اور خود مختار اداروں کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔ ان کے بجٹ بھی بیشتر صورتوں میں مناسب ہی ہیں۔ ان کے بجٹوں میں کچھ حصہ Reccuring مصارف ہوتا ہے اور کچھ Non Reccuring مصارف کا۔ اس کے علاوہ کچھ Non plan Expenditure ہوتا ہے اور کچھ Plan Expendeture کا۔ اس لیے کام کو بڑھاتے ہوئے نئی گنجائشیں نکالی جا سکتی ہیں۔ ترقی اردو بورڈ کا بجٹ شروع میں صرف 17 لاکھ روپے سالانہ تھا۔ بعد میں یہ ایک کروڑ سے متجاوز ہو گیا۔ قومی اردو کونسل کا بجٹ تو اب کئی گنا بڑھ چکا ہے۔

اکادمیوں کا قیام، اردو کے تعلیمی مسائل کا حل ہرگز نہیں ہے مگر ان سے ہم دیگر اہم کام لے سکتے ہیں۔ ضرورت صحیح سوجھ بوجھ کی ہے۔ اردو کی تعلیم، اردو کو سرکاری زبان کا درجہ اور اردو اخبارات و رسائل کو سرکاری اشتہارات وغیرہ جیسے معاملات سے متعلق ہماری جدوجہد، مقامی، ریاستی اور ملکی سطح پر مؤثر ڈھنگ سے جاری رہنی چاہیے۔ اور ہمیں خود بھی زندہ قوموں کی طرح اپنے طور پر بہت کچھ کرنا ہوگا۔

یوں تو قومی اردو کونسل اور ریاستی اردو اکادمیوں کے بجٹ حالات کے لحاظ سے بڑھتے گھٹتے بھی رہتے ہیں مگر یہ طے ہے کہ ان سب اداروں

کے بجٹوں کو ملایا جائے تو کم از کم 10 تا 12 کروڑ روپے سالانہ کا تخمینہ تو ہے۔ اردو کی حقیقی بقا اور ترقی کا صحیح اور نتیجہ خیز مرحلہ وار پروگرام بنایا جائے تو یہ رقم کچھ کم نہیں ہے۔ ان کے علاوہ، نیشنل کونسل فار ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ نیشنل بک ٹرسٹ ساہتیہ اکادمی اور کونسل فار انڈین میڈیسن (یونانی) میں بھی اردو زبان و ادب اور درسی کتابوں سے متعلق کام ہوتے ہیں جو اردو زبان کی مجموعی ترقی سے ہی جڑے ہوئے ہیں۔ نیشنل اوپن اسکول (اردو سیل) اور ابوالکلام آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی بھی اردو کی ترقی اور اردو والوں کی فلاح کے لیے قائم کیے گئے ہیں۔ ان اداروں کو اپنی ذمے داریوں کو سرانجام دیتے ہوئے چھوٹے بڑے مسائل کو حل کرتے ہوئے مسلسل آگے بڑھنا ہے، صرف اشتہارات اور فوٹو چھاپ کر نہیں، احباب کی طرفداری سے بھی نہیں بلکہ حقیقی معنی میں بہتر کام کرتے ہوئے اور بہتر نتائج برآمد کرتے ہوئے۔ چونکہ یہ قومی کام ہے بڑا کام ہے، اس لیے اگر ضرورت محسوس ہو تو تعاون و اشتراک سے بھی کام کرنے کی روایت کو بڑھاوا دیا جانا مناسب ہوگا۔

3۔ اردو کونسل، اور اکادمیوں / اداروں کا رابطہ

یہ قدرے اطمینان اور خوشی کی بات ہے کہ ہندستان میں اردو کی ترقی کے لیے تقریباً 20۔22 بڑے ادارے کام کر رہے ہیں اور مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتیں کروڑوں روپے کے بجٹ فراہم کر رہی ہیں۔ کم از کم اس معاملے میں انھیں بخیل یا تنگ نظر سمجھنا مناسب نہیں۔ ان کا صحیح استعمال نہ کرنا اور اردو کی بقا اور ترقی کے اسباب فراہم نہ کر پانا اردو والوں کی نااہلی کی دلیل ہوگی۔

ایک جیسے مقاصد کو لے کر کام کرنے والے اداروں کے مابین تال میل اور ربط ضبط کا ہونا بے حد ضروری ہے تاکہ ایک دوسرے کے کاموں سے واقف ہوں اور Duplication of Work سے بچے رہیں۔ حسب ضرورت ایک دوسرے کے تجربے، ذرائع، تعاون و اشتراک اور مشوروں سے مفید کام انجام دے سکیں۔ اس Wholesome Attitute کو اس کی کلیت (Totality) میں دیکھا جائے تو یہ ایک طرح کا قومی منصوبہ بن کر ابھرتا ہے جس کی اہمیت اور افادیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

چونکہ NCERT، NBT، ساہتیہ اکادمی انڈین کونسل فار میڈیکل ریسرچ (یونانی)، نیشنل اوپن اسکول (اردو) اور مولانا ابوالکلام آزاد نیشنل اوپن اردو یونیورسٹی بھی سرکاری بجٹ سے ہی کام کرتے ہیں اور ان کے کاموں کی نوعیت بھی ملتی جلتی ہے اس لیے ان میں رابطہ، ایک دوسرے کے کاموں کا تعارف اور ضرورت ہو تو ممکنہ حد تک ایک دوسرے کی مدد کے ذریعے اردو زبان و ادب اور تعلیم کی مجموعی ترقی کی قومی ذمے داری سے عہدہ برآ ہونے کے جتن کیے جا سکتے ہیں۔ کم از کم دو برسوں میں ایک بار تو مل بیٹھ کر ایک دوسرے کے مزید قریب آ سکتے ہیں۔ تعارف، جائزے، مشاورت اور معاونت کی میٹنگس یقیناً سودمند ثابت ہوں گی اور اس سے اردو کے مشترکہ کاز کو تقویت ملے گی۔

4۔ اراکین اور ذمے داروں کا انتخاب

قومی اردو کونسل، ریاستی اور اکادمیوں / اداروں کے ملازمین اور افسروں / عہدیداروں کا انتخاب تو رجسٹرڈ دستور (Constitution)، مقررہ سروس رولس (Service Rules) اور معین کردہ Recruitment Rules Procedure کے تحت ہوتا ہے۔ البتہ اراکین کے معاملے میں کچھ کوتاہیاں اور بے ضابطگیاں بھی ہوتی ہیں۔ بدقسمتی سے وزرا یا گورنر وغیرہ اردو والوں سے زیادہ واقف نہیں ہوتے اس لیے وہ صحیح انتخاب نہیں کر سکتے۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ خواہ قومی اردو کونسل کی رکنیت کا معاملہ ہو یا ریاستی اردو اکادمیوں کا، متعلقہ حکومت کو چاہیے کہ اردو کے کم از کم تین معروف اور مسلمہ ماہرین پر مشتمل ایک سرچ کمیٹی (Search Committee) بنائے اور اس کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ موصولہ تمام ناموں کا جائزہ لے کر اراکین کا انتخاب کرے۔ پھر یہ کمیٹی عہدیداروں اور ذمے داروں کو منتخب کرے بشرطیکہ ایسا کرنے میں کوئی مشکل یا پریشانی درپیش نہ ہو۔

5۔ دائرہ کار اور کارکردگی

اداروں کا دائرہ کار بنیادی طور پر تو ان کے رجسٹرڈ اغراض و مقاصد کے لحاظ سے متعین ہوتا ہے۔ لیکن اس میں ترمیم اور اضافے کا حق بھی متعلقہ ادارے کے اگزیکیٹو بورڈ / کمیٹی کو بالعموم حاصل رہتا ہے۔ خاص کر زبان و ادب اور تہذیب سے متعلق اداروں اور اکادمیوں کے دائرۂ کار میں اتنی گنجائش ہونی چاہیے کہ وہ بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو سکیں۔ لاحاصل سرگرمیوں سے خواہ وہ کتنے ہی بڑے پیمانے پر کیوں نہ ہوں، اردو زبان کا خاطر خواہ بھلا ہونے والا نہیں۔ کچھ دھوم دھام ہوگی کچھ تماشائے رنگ و بو بھی ہوگا۔ مگر ہم جس نازک دور سے گزر رہے ہیں ہم کو قیمتی وقت اور پیسے کا زیادہ سے زیادہ صحیح اور بہتر استعمال کرتے ہوئے سنجیدگی سے ایسی حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے جس سے اردو کی بقا اور ترقی کے راستے کھل جائیں اور اردو زبان اور تہذیب کی جڑیں مضبوط ہوں۔

6۔ اردو کی ترقی کا قومی منصوبہ

اس گفتگو کا مقصد اور Projection کا مدعا یہی ہے کہ یہ بات واضح کی جائے کہ اردو اور اردو والوں کے ساتھ مبینہ ناانصافیوں کے باوجود ہندستان میں اردو کی بقا اور ترقی کے لیے مختلف اداروں کے ذریعے اردو والوں کو کروڑوں روپے سالانہ فراہم کیا جاتا ہے۔ اب یہ اردو والوں کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنی زبان کی بقا اور اس کے فروغ سے متعلق مسائل و معاملات پر

پوری سنجیدگی سے، دیانت داری سے توجہ کریں۔ اپنی ترجیحات میں ضروری ردو بدل کریں اور اردو تعلیم کو ہر ممکن طریقے سے فروغ دینے کو اولیت دیں کیونکہ یہی واحد وسیلۂ بقا ہے اس کا دائرۂ عمل ہندستان کے مختلف حصوں تک پھیلانا ہوگا مگر خاص کر اتر پردیش، دہلی، مدھیہ پردیش، راجستھان میں ان کوششوں کو ہمہ گیر اور تیز تر کرنا ہوگا۔ اس نئی صدی کے پہلے پانچ برسوں میں اردو کے موقف کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا ہوگا۔ اس اہم ترین کام کو، اس اہم ترین ذمے داری کو ایک قومی مقصد کی صورت میں قبول کرنا چاہیے۔ ورنہ ہماری خود غرضیوں، ذاتی مفاد پرستوں کے کفنوں میں لپٹے ہوئے ہمارے مردہ ضمیروں کی بے حسی اور بے عملی کے نتیجے میں تاریخ اپنا ناموافق فیصلہ سنادے گی اور ہماری زبان و تہذیب کی بقا اور بالیدگی کے امکانات ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے۔ جب اردو پڑھنے والے ہی نہ رہیں گے تو علمی وادبی، اہم سے اہم بڑے سے بڑے کام سب کے سب لاحاصل ہو کے رہ جائیں گے اور سفاک وقت، ہماری زبان ہمارے علم وادب اور ہماری تہذیب وثقافت کا خون نہایت بے رحمی سے ہماری ہی جبینوں پر پوت کر قہقہہ لگاتا ہوا گزر جائے گا۔

7۔ اردو اکادمیوں کے کام

ریاستی اردو اکادمیاں اپنے اپنے دائروں میں مفید کام انجام دے رہی ہیں مگر نئی صدی کی نئی زندگی کے نئے حالات میں اردو کو درپیش مسائل کے پیش نظر، اردو کی ترقی کے قومی منصوبے کو تقویت پہنچاتے ہوئے مندرجہ ذیل امور پر بھی خصوصی توجہ کرنی ہوگی۔

● اردو تعلیم

پہلی، دوسری اور تیسری زبان کی حیثیت سے سہ لسانی فارمولے کے تحت اردو اسپیشل کلاسز۔ ضلع سے لے کر تعلقہ / تحصیل اور قصبہ جات تک، سالانہ تعلیمی سروے، مسائل کی نشاندہی اور ان کا حل۔ اردو اسکولوں کو مالی امداد۔ یہ صورتیں جس قدر اور جتنی روشن ہوں گی اردو کا مستقبل بھی اتنا ہی روشن ہوگا۔

● روزمرہ کی زندگی میں اردو کا استعمال

مختلف پروگراموں کے ذریعے لوگوں کو اردو سیکھنے، پڑھنے، لکھنے اور روزمرہ کی زندگی کے کاروبار میں بھی اردو کو استعمال کرنے پر مائل کیا جائے۔ انھیں سہولتیں فراہم کی جائیں اور کتابوں / رسالوں / اخباروں کے خریدنے، نام کی تختیوں، دکانوں کے بورڈ خطوط کے پتے، دکانوں اور کارخانوں کے کام کاج میں اردو کے استعمال پر زور دیا جائے۔

● تعلیم بالغان

یہ کام ریاستی اردو اکادمیاں خود بھی کر سکتی ہیں جیسا کہ دہلی اردو اکادمی کر رہی ہے یا ریاستی حکومتوں کے محکمہ تعلیم اور سماجی فلاح وبہبود سے مالی مدد لی جا سکتی ہے اردو قومی کونسل سے بھی کتابوں وغیرہ کا تعاون لیا جا سکتا ہے۔

● پولی ٹیکنک اور دیگر تکنیکی تعلیم

اردو کے ذریعے روزگار فراہم کرنے کی اردو والوں کی طرف سے یہ ایک کوشش ہوگی اردو کے طلبہ کے لیے مدرسوں کے فارغین کے لیے تعلیم ترک کرنے والے اردو والوں (Drop outs) کے لیے ریڈیو، ٹی وی، ریفریجریٹر، کمپیوٹر ٹریننگ، خطاطی، اردو شارٹ ہینڈ، موٹر میکانک وغیرہ کی ٹریننگ کا مناسب جگہوں پر مناسب انتظام کیا جائے۔

● اردو مراکز

اردو کے فروغ کے لیے تہذیبی اور تعلیمی سرگرمیوں کے مستقل پلیٹ فارم چھوٹے پیمانے پر ابتدا بعد میں توسیع۔ کلچرل پروگرام جیسے مشاعرے، شام غزل، ڈرامے (جیسا کہ دہلی اردو اکادمی کر رہی ہے) وغیرہ کے ذریعے اردو کو بلالحاظ مذہب وملت عام کرنے کے لیے اوپن اسکول، تعلیم بالغان اور دوسرے امتحانات کی معلومات اور سہولتیں۔ جہاں اردو اکادمیاں نہ ہوں وہاں قومی اردو کونسل سے مدد لی جا سکتی ہے۔

● ریاستی حکومت کی جانب سے فراہم کردہ سہولتوں کا بروشر

ریاست میں حکومت نے لسانی اقلیتوں بالخصوص اردو کے لیے کیا ہے، کیا مراعات اور سہولتیں دی ہیں۔ عام جانکاری کے لیے ایک بروشر کی صورت میں اس کی طباعت واشاعت اور مفت تقسیم۔

● مقامی اہم صنعتوں اور پیشوں کے بارے میں اردو میں لٹریچر

مقامی اہم صنعتوں جیسے کرناٹک میں ریشم سازی، بہار / جھارکھنڈ میں کان کنی، راجستھان میں نگینہ سازی، آندھرا پردیش میں نرمل انڈسٹریز اور کارچوب کا کام اتر پردیش میں لکھنوی چکن کا کام وغیرہ وغیرہ سے متعلق لٹریچر / پمفلٹ اردو میں شائع کر کے استفادۂ عام کی خاطر مفت تقسیم۔

● اردو اقامتی اسکول

آندھرا پردیش میں اردو اقامتی اسکول قائم ہو رہے ہیں جہاں طالب علموں کی تعلیم مکمل ہونے تک پرائمری ایجوکیشن عام سرکاری خرچ پر رکھا جاتا ہے Education اور Boarding و Lodging کی سہولتوں کے ساتھ اس سلسلے میں آندھرا پردیش اردو اکادمی اہم رول ادا کر رہی ہے۔ دیگر ریاستوں میں اردو اکادمیاں ایسا کر سکتی ہیں یا ریاستی حکومت کے محکمۂ تعلیم کو اس کی ترغیب دے سکتی ہیں۔

● دوسری مقامی زبانوں کے ادیبوں / دانشوروں سے رابطہ

ملک کے حالات اور اردو کے مقدمے کی نوعیت کے لحاظ سے ہمیں

مختلف ریاستوں میں مقامی زبانوں کے ادیبوں، شاعروں اور دانش وروں سے بھی رابطہ رکھنا چاہیے۔ ہم نے اب تک یہ کام ٹھیک ڈھنگ سے نہیں کیا اور بڑے گھاٹے میں رہے۔ اب بلا تاخیر مزید یہ سلسلہ شروع کردیا جانا چاہیے تاکہ ان سب کی تائید اور حمایت سے ہم اپنی بات منوا سکیں۔ بغیر کسی مخالفانہ رکاوٹ کے اپنے کام کو آگے بڑھا سکیں۔

● اردو لائبریریوں کو مالی امداد

لائبریریوں کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اردو کے فروغ کے لیے تو یہ نہایت ضروری ہیں۔ چھوٹی لائبریریوں کو ریاستی اردو اکادمیاں مالی امداد دیں اور بڑی لائبریریوں کو قومی اردو کونسل۔

● اردو خبر رساں ایجنسیوں / رسائل / جرائد کو مدد

عام طور سے نیشنل میڈیا، اردو، اردو والوں اور اردو کے کاز کا بھرپور ساتھ نہیں دیتا رہا ہے۔ ویسے خود ہمیں بھی اپنے ذرائع ابلاغ کو آج کے ترقی یافتہ معیارات سے ہم آہنگ کرنا ہی ہے۔ ہمارے اخبارات / رسائل / جرائد ہمارے دست و بازو ہی نہیں از بان بھی ہیں۔ اس لیے انہیں ہر اعتبار سے بہتر بنانا جدید ٹکنالوجی سے آراستہ کرنا ہماری ذمے داری ہے کیوں کہ اردو اب محض ہندستان کی "چھٹے" نمبر کی زبان نہیں بلکہ دنیا کی تیسری بڑی عالمی زبان بن گئی ہے اور اس کا سروکار روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔ مرکز میں قومی اردو کونسل اور آندھرا پردیش میں وہاں کی اردو اکادمی اس سلسلے میں خاصا کام کررہی ہے اوروں کو بھی ہر ممکن طریقے سے اس ضمن میں کارگر تدابیر اختیار کرنی چاہئیں تاکہ مقامی اردو صحافت بھی موثر طریقے پر کام کرتی رہے۔

● اردو کے بزرگ ادیبوں / شاعروں اور صحافیوں کو وظیفہ

ریاستی اور مرکزی حکومت میں مستحق لوگوں کے لیے وظیفہ پیرانہ سالی (Old Age Pension) کی اسکیمیں موجود ہیں۔ ان سے استفادہ کرتے ہوئے ریاستی اردو اکادمیاں ریاستوں میں اور قومی اردو کونسل ان علاقوں میں جہاں اکادمیاں قائم نہ ہو، ان اسکیموں کے تحت یا مناسب اسکیمیں بناکر اردو کے مستحق بزرگ ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کو وظیفے دینے کی صورتیں نکال سکتی ہے۔

● اردو کے بہترین خدمت گذاروں کو ایوارڈ

دراصل، اردو کی حقیقی خدمت تو اس کے بے لوث اور بے لاگ خدمت گزار ہی کرتے ہیں اس لیے انعام اور اعزاز کے مستحق تو وہی ہوتے ہیں۔ اردو اکادمیوں کو انھیں پہچان کر نوازنا چاہیے۔ جہاں اردو اکادمیاں نہ ہوں وہاں قومی اردو کونسل کو اس سلسلے میں توجہ کرنی چاہیے۔

● اردو اسٹوڈنٹس اسکالر شپ اور اردو ٹیچر

اسکول اور کالجوں میں طلبہ کی مدد اور حوصلہ افزائی کے لیے اسکالر شپ اسکیم، اسکولوں میں حسبِ ضرورت یا تاوقتیکہ سرکاری طور پر ٹیچرز کا تقرر نہ ہو۔ ریاستی اردو اکادمیاں اپنی جانب سے اردو ٹیچر کے (سارے مضامین) فراہم کریں ان کی ٹریننگ کی طرف بھی توجہ کریں۔

● مقامی زبانوں کی لغات اور زبان دانی کی کتابیں

اردو کو اس کی لسانی شیرینی اور تہذیبی ورثے کی وجہ سے سارے ہندستان اور ہندستان سے باہر بھی بہت پسند کیا جاتا ہے۔ ہر علاقے کے لوگ بڑی تعداد میں اسے سیکھنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ اس لیے ریاستی اردو اکادمیاں اردو کے ذریعے مقامی زبانیں اور مقامی زبانوں کے ذریعے اردو سیکھنے سکھانے کے تدریسی انسٹرکٹرز/ کتابیں تیار کریں اور قومی اردو کونسل کی مدد سے ذولسانی لغات مرتب کرنے کے منصوبے مرتب کریں تو مناسب ہوگا۔

● اردو کتابوں کے میلے

قومی اردو کونسل نے دہلی میں NBT کی مدد سے اردو کتابوں کے میلے کے انعقاد کی شاندار پہل کی ہے۔ دہلی اردو اکادمی کا بھی تعاون شامل رہا۔ اسی طرح کے میلے ریاستی اردو اکادمیاں ۔ قومی اردو کونسل کی مدد سے اور دیگر مقامی اداروں کے تعاون سے اپنے اپنے دار الخلافوں یا اہم شہروں میں ہر سال منعقد کرسکتی ہیں تاکہ اردو کتابوں کی تشہیر ہو اور ان کی نکاسی کو بھی فروغ حاصل ہو۔

● مدارس کی جدید کاری

ترقی اردو بورڈ کے آخری دور میں مدارس کی جدید کاری کا سلسلہ جو وقت کی ایک اہم ترین ضرورت تھی، شروع ہو چکا تھا۔ پھر اسی اسکیم کو قومی اردو کونسل نے پوری طرح اپنایا اور کافی تیزی سے اس میں توسیع کی صورتیں پیدا ہوتی گئیں۔ اس سلسلے میں اکادمیاں بھی اہم رول ادا کرسکتی ہیں۔ کوئی ایسا طریقِ کار وضع کرلیا جائے جس کے ذریعے جن ریاستوں میں اردو اکادمیاں کام کررہی ہوں، وہاں کے مدارس کے کام میں وہ معاونت کریں۔ متعلقہ ریاستوں میں مدرسہ بورڈ کے قیام اور مدارس کی اسناد کو دیگر یونیورسٹیوں جامعات کی اسناد کے برابر قرار دینے کے کام میں بھی اکادمیاں معاون ہوسکتی ہیں۔

(بہ شکریہ قومی آواز، دہلی)

Pocket-4, Phase-I,
G-67 Mayur Vihar, New Delhi-91

محمد شاہد حسین

اسکرپٹ نگاری

اسکرپٹ نگاری پر کچھ لکھنے سے پہلے ہمیں اسکرپٹ کی تعریف اور اس کے اس پس منظر کو سمجھ لینا چاہیے جس کی ایک کامیاب اسکرپٹ کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔ کامیاب اسکرپٹ سے مراد وہ اسکرپٹ ہے جسے پروڈیوسر پسند کرے اور جو ڈائرکٹر کے لیے قابلِ قبول ہو۔

اتنی بات تو ہم میں سے ہر ایک جانتا ہے کہ ٹیلی ویژن کے ذریعے جو پروگرام ٹیلی کاسٹ کیے جاتے ہیں یا فلم کے ذریعے پردۂ سیمیں پر پیش ہوتے ہیں، خواہ وہ تیس سیکنڈ کے ہی کیوں نہ ہوں ان کے لیے پہلے اسکرپٹ تیار ہوتا ہے۔ بغیر اسکرپٹ کے کوئی پروگرام آگے کے مرحلے سے نہیں گزر سکتا، لہٰذا اسکرپٹ کسی پروگرام کی بنیادی ضرورت ہوئی۔ اس سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اسکرپٹ کی وضاحت و صراحت کے لیے اکثر "بلو پرنٹ"، "فریم ورک" یا "ڈھانچہ" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ ان الفاظ سے اس کی کسی حد تک وضاحت ہو جاتی ہے پھر بھی مزید وضاحت کے لیے یہاں ایک اور تعریف پیش کی جا رہی ہے:

> "اسکرپٹ ایک ایسی تحریر ہے جس کے اندر مختلف خیالی یا حقیقی واقعات کی سلسلے وار تفصیلات مع آوازی و تصویری اجزا کے درج ہوتی ہیں اور جس میں اس میدان کی قبول کردہ یا منظور شدہ اصطلاحات، مخففات و ہیئت کو استعمال کیا جاتا ہے۔"

اصطلاحات، مخففات و ہیئت، اسکرپٹ تحریر کرنے کے وہ تکنیکی لوازم ہیں جو اسکرپٹ کو ریکارڈ کرنے کے لائق بناتے ہیں۔ اسکرپٹ نگاری کے لیے پانچ چیزوں کی اہلیت و ضرورت ہوتی ہے۔

- ریسرچ کرنے کی ضرورت۔
- ڈھانچہ بنانا۔
- تجویز یا منصوبے کو سوچ لینے کی اہلیت (Concept Thinking)۔
- بصری پیکر تراشنا (Visualization)۔
- مکالمے اور بیانیہ لکھنے کا ملکہ۔

ریسرچ کی ضرورت:

ریسرچ کے ذریعے اسکرپٹ سے متعلق بنیادی معلومات یکجا کی جاتی ہیں۔ اسکرپٹ رائٹر اسکرپٹ کے موضوع سے متعلق چیزوں کی تلاش کر کے انھیں حاصل کرتا اور مرتب کرتا ہے۔ ریسرچ کے ذریعے اسکرپٹ سے متعلق بہت سی چیزوں کے بارے میں سمجھ بڑھتی ہے۔ اچھی طرح ریسرچ کر لینے کے بعد اسکرپٹ لکھنا آسان ہو جاتا ہے، تخلیقیت پیدا ہوتی ہے اور اس سے لطف حاصل ہوتا ہے۔ بغیر ریسرچ کے اسکرپٹ لکھنا اکثر ذہن پر بار ہو جاتا ہے۔ جلد اکتاہٹ اور الجھن ہونے لگتی ہے اور وقت بھی زیادہ صرف ہوتا ہے۔ رائٹر اسی میں الجھا رہتا ہے کہ اسے کیا اور کیسے ترسیل کرنا ہے۔ لہٰذا یہ ایک فرحت بخش تخلیقی عمل ہونے کے بجائے ایک پریشان کن مرحلہ ہو جاتا ہے۔

ریسرچ کے دوران دو قسم کی معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ پروگرام کو کس طرح ترتیب دیں۔ دوسرے، موضوع کے بارے میں مکمل معلومات۔

پروگرام کو ڈیزائن کرنے یا ترتیب دینے کے بارے میں معلومات اسکرپٹ تحریر کرنے کے پہلے مرحلے میں جمع کی جاتی ہیں۔ اس میں سے بہت سی معلومات پروگرام کے خریدار سے ملتی ہیں۔ ناظرین کے انٹرویو اور پروڈیوسر سے بھی اس سلسلے کی بہت سی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ لیکن یہ معلومات پروگرام کے اصل مواد میں براہِ راست بہت کم استعمال ہوتی ہیں۔ یہ ایک ایسا خام مواد ہوتا ہے جو پروگرام کا طریقۂ کار متعین کرنے میں مددگار ہوگا۔ اس میں مندرجہ ذیل معلومات جمع کی جاتی ہیں

- پروگرام کا مقصد کیا ہے۔
- ناظرین کا تفصیلی تجزیہ۔
- مجوزہ پروگرام کا استعمال کیا ہے۔

ناظرین کا تجزیہ کسی پروگرام کی کامیابی اور موثر اسکرپٹ کے لیے لازمی ہے کیوں کہ جن کے لیے اسکرپٹ لکھا جا رہا ہے ان کا مزاج، ان کی پسند و ناپسند، ان کے نظریۂ زندگی اور ان کے برتاؤ کے بارے میں سمجھ لینا بہتر ہوتا ہے۔ ہمیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ ان کی تعداد کیا ہے، وہ کیا چاہتے ہیں، ان کے علم کا معیار کیا ہے۔ اگر ان سب چیزوں پر اچھی طرح ریسرچ کر لی

جائے تو پروگرام کا طریقۂ کار متعین کرنے کے لیے بنیاد فراہم ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بظاہر یہ چیزیں بہت اہم نہ معلوم ہوں مگر ان کی اہمیت کا اندازہ اس وقت ہوگا جب انھیں اصل مواد کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے گا۔

اصل موضوع یا مواد کے بارے میں بھی ریسرچ کی اہمیت مسلم ہے۔ اس وقت تک ایک کامیاب و موثر اسکرپٹ تحریر نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ موضوع کو اچھی طرح سمجھ نہ لیا جائے اور یہ سمجھ ریسرچ کے ذریعے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اصل موضوع یا مواد کے بارے میں معلومات پروگرام یا اسکرپٹ کے خریدار سے، اس موضوع کے ماہرین سے اور ناظرین سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

اصل موضوع اور طریقۂ کار کے تعین کے لیے بھی معلومات حاصل کرنے کا بہتر طریقہ انٹرویو ہے۔ انٹرویو کی تکنیک ہر جگہ مختلف ہوتی ہے مگر کچھ عام چیزیں مشترک بھی ہیں، جیسے انٹرویو کے لیے بیٹری سے چلنے والا ٹیپ ریکارڈ استعمال کرنا چاہیے۔ ہاتھ سے لکھنا نہ صرف محنت طلب ہے بلکہ کبھی کبھی انٹرویو دینے والے کی اکتاہٹ کا سبب بنتا ہے۔ اگر کوئی کسی بات کو اپنی آواز میں ٹیپ نہ کرانا چاہے تو صورت حال مختلف ہوگی، لہٰذا انٹرویو شروع کرنے سے پہلے ہی یہ دریافت کر لینا چاہیے۔

ڈھانچہ بنانا :

آپ کا اگلا قدم ہوگا حاصل شدہ مواد میں موجود معلومات و اطلاعات کو منطقی ترتیب کے ساتھ منظم کرنا، دوسرے الفاظ میں موضوع کا خاکہ تیار کرنا۔ خاکہ اسکرپٹ لکھنے کے عمل کو رواں، آسان اور تیز کر دیتا ہے اور لطف انگیز ہوتا ہے۔ خاکہ بکھری ہوئی معلومات کو ایک مضبوط ڈھانچہ فراہم کرتا ہے اور یہ ڈھانچہ اسکرپٹ تحریر کرنے کے لیے ایک راہ نما کا کام کرتا ہے۔

عام طور سے خاکے کا ڈھانچہ تین حصوں پر مبنی ہوتا ہے۔ ابتدا، وسط اور اختتام۔ ابتدا میں پورے مسئلے کا بہت مختصر تعارف اس طرح کرایا جائے کہ اس میں بنیادی چیزیں بھی آ جائیں اور ناظرین کو دل چسپی بھی پیدا ہو جائے۔ وسط یا جسم (Body) میں مسئلے یا اصل موضوع پر گہرائی کے ساتھ روشنی ڈالی جائے اور اختتام میں وسط میں دیے گئے مواد یا معلومات سے نتیجہ اخذ کیا جائے۔ یہ تینوں مختلف چیزیں آپس میں اصل موضوع کے ذریعے منسلک ہوتی ہیں۔ ابتدائیہ یا تعارف ناظرین کی دل چسپی حاصل کر کے اختصار کے ساتھ اصل مسئلے کو پیش کرتا ہے۔ وسط یا جسم اصل مسئلے کی تفصیل میں جا کر اسے وسعت دیتا ہے۔ اختتامیہ میں پیش کی گئی معلومات سے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ یہاں اہم بات یہ ہے کہ ڈھانچہ آسان، سادہ اور استدلالی طریقے سے تیار کیا جائے تاکہ ناظرین آسانی سے اصل مسئلے کو سمجھ لیں یا متاثر ہو جائیں۔

منصوبے یا تجویز کو تصور کر لینا (Concept Thinking):

ایک بار جب نقشہ، خاکہ طریقۂ کار اور اصل موضوع سے متعلق مواد لکھنے والے کے سامنے آ جاتا ہے تو دماغ میں تخلیق کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور اس عمل کے تحت دو اطلاعات کو، دو معلومات کو، دو خیال کو ملانے سے ایک نیا خیال، ایک نیا منصوبہ، نئی تجویز دماغ میں آتی ہے۔ اور یہیں سے کسی منصوبے یا تجویز کو تصور کر لینے کی ابتدا ہوتی ہے۔

کسی منصوبے یا تجویز (Concept) کو آگے بڑھانے سے پہلے یہ بات ذہن میں صاف رہنی چاہیے کہ پرنٹ میڈیا اور ویژوول (Visual) میڈیا کی تحریر میں بنیادی فرق ہوتا ہے اور یہ فرق بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہنا مختلف ہے دکھانے سے۔ جب آپ کچھ کہتے یا لکھتے ہیں تو موضوع کی الفاظ کے ذریعے صراحت کرتے ہیں۔ اس میں ایسے الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں جو سننے والے یا پڑھنے والے کے ذہن میں وہی تصور پیدا کرے جو آپ ترسیل کرنا چاہتے ہیں۔ اس صورت میں صرف الفاظ ہی ترسیل کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

جب کسی منصوبے یا تجویز کو بصری ہیئت میں پیش کیا جاتا ہے تو لکھنے والا کہنے پر کم توجہ دیتا ہے، بہ نسبت دکھانے کے۔ گو کہ یہاں بھی الفاظ کی اہمیت برقرار رہتی ہے لیکن یہاں یہ اہمیت فنی کے بجائے تکنیکی ہوتی ہے۔ یہاں الفاظ ترسیل ضرور کرتے ہیں مگر یہ پڑھنے والے کی قوت متخیلہ کو متحرک کرنے کے کام نہیں آتے۔ لہٰذا بصری ہیئت کے اسکرپٹ میں الفاظ صرف آواز اور متحرک تصویر کی وضاحت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ یہاں پیغام کی ترسیل آواز تصویر سے ہوتی ہے۔ یہاں اسکرپٹ لکھنے والے کے سامنے یہ مسئلہ نہیں ہوتا کہ وہ کون سے الفاظ کاغذ پر تحریر کرے بلکہ اس کے سامنے یہ مسئلہ ہوتا ہے کہ وہ اسکرین پر کون سی تصویر تخلیق کرے۔ کسی بھی پیغام کو بصری وسائل کے ذریعے پیش کرنے کی بات سوچنا تمام کامیاب اسکرپٹ نگاروں کی امتیازی خصوصیت ہوتی ہے لہٰذا وہ اس اہلیت کا استعمال پہلے پہل منصوبے یا تجویز کا تصور کرتے وقت کرتے ہیں اور بعد میں زیادہ تفصیل کے ساتھ اس وقت کرتے ہیں جب اصل اسکرپٹ تیار کر رہے ہوں۔

بصری پیکر تراشنا (Visualization) :

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کسی خیالی منصوبے یا تجویز کی ترسیل مختلف طریقوں سے کی جاتی ہے۔ مکالمے یا بیانیے میں الفاظ، چہرے کے تاثرات اور آواز کے زیر و بم کے ذریعے کسی خیال کی ترسیل ہوتی ہے۔ طبع شدہ اوراق میں پڑھ کر کسی خیال یا پیغام کو سمجھا جاتا ہے۔ آواز پہ منحصر ذرائع میں سن کر کسی پیغام کو حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن ان سب میں سب سے زیادہ موثر اور

طاقتور ذریعہ فلم اور ٹیلی ویژن ہے کیوں کہ اس میں دیکھا بھی جاتا ہے اور سنا بھی جاتا ہے۔

Visualization کی ابتدا اسکرپٹ نگار سے ہوتی ہے۔ اس نے جو منصوبہ تیار کیا ہے اس کو وہ اپنے دماغ میں متحرک تصویروں کے ذریعے ترتیب دیتا ہے۔ پھر اس کو کاغذ پر ایک خاص فارمیٹ (ہیئت) کے تحت لکھتا جاتا ہے۔ پہلا لکھا ہوا مسودہ ٹریٹ منٹ کہلاتا ہے۔ اس کا آخری مسودہ اسکرپٹ کہلاتا ہے۔ مگر اسکرپٹ تیار ہو جانے سے بات مکمل نہیں ہو جاتی جیسا کہ تحریری ذرائع میں ہوتا ہے۔ دراصل اسکرپٹ نگار کا کام بچھ لیے کا ہے جو اسکرپٹ کے ذریعے کسی تجویز کا منصوبہ ڈائرکٹر کو ترسیل کرتا ہے۔ یہاں سے ڈائرکٹر کا کام شروع ہوتا ہے۔ وہ اس کام کا اختتام کرتا ہے جس کی ابتدا رائٹر نے کی تھی۔ وہ اسکرپٹ کو پوری تفصیل کے ساتھ ٹیپ پر ریکارڈ کرتا ہے اور ایسا کرتے ہوئے وہ رائٹر کی خیالی متحرک تصویروں کو حقیقی زندگی سے پر متحرک تصویروں میں تبدیل کرتا ہے۔

Visualization کے عمل میں سین کی پوری تفصیل دینا چاہیے۔ اس سے اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے ناظرین کے لیے قابل قبول بھی ہونا چاہیے۔

مکالمے اور بیانیے کی اہلیت:

ایک اچھے اسکرپٹ نگار کے اندر مکالمہ اور بیانیہ لکھنے کی اہلیت کا ہونا بھی ضروری ہے گو کہ ٹیلی ویژن اور فلم میں ریڈیو اور دوسرے آوازی ذرائع کی طرح مکالمے اور بیانیے کی اولین اہمیت نہیں ہوتی بلکہ ان کی اہمیت ثانوی ہوتی ہے کیوں کہ ان میں اکثر اجسام کو پیش کر دینا کافی ہوتا ہے۔ انھیں بیان نہ بھی کیا جائے تو صورت حال مکمل ہو جاتی ہے اور قصہ آگے بڑھ جاتا ہے۔

پھر بھی مکالمے اور بیانیے کے بغیر کسی منصوبے یا تجویز کا مکمل ہونا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، کیوں کہ مکالمے یا بیانیے کے خوبصورت الفاظ اور الفاظ کی بہترین ترتیب سے پیدا ہوئی غنائیت، پھر مکالمے یا بیانیے کو ادا کرنے کے لیے آواز کا زیر و بم، لہجے کی شیرینی اور گداز کسی منصوبے یا تجویز کو پرکشش و موثر بناتے ہیں۔ انھی کے ذریعے کسی کردار کی شخصیت کا ارتقا ہوتا ہے۔ اقدار و ترغیبات کی ترسیل انھی کے ذریعے ہوتی ہے۔ کردار جو کچھ کہتا ہے یا نہیں کہتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کیا سوچ رہا ہے، کس صورت حال میں ہے، اس کا منصوبہ کیا ہے۔ مکالمے یا بیانیے سین میں صورت حال کو موزوں بناتے ہیں۔ یہ کرداروں کی شخصیت کو استحکام بخشتے ہیں۔ الفاظ کرداروں کے اندر زندگی پیدا کرتے اور انھیں متحرک بناتے ہیں اور الفاظ ہی سے کسی رول میں اصلیت و واقعیت پیدا ہوتی ہے۔

ٹیلی ویژن اور فلم پہلے نظری آرٹ ہے پھر سمعی، اسی لیے ان میں مکالمے یا بیانیے صرف اتنے ہونے چاہئیں جتنے ایکشن کی وضاحت کے لیے ضروری ہوں۔ ان میں مکالموں کی زیادتی مناسب نہیں۔ کیوں کہ یہاں "کیا کہا" سے زیادہ "کیا کیا" اہم ہوتا ہے۔ مکالمے حرکت و عمل کو قوت بخشنے اور قصے کو آگے بڑھانے کے لیے ہوتے ہیں۔ چونکہ ہر پروگرام کا وقت محدود ہوتا ہے اس لیے مکالموں میں کم الفاظ میں مکمل بات کہنا ضروری ہے۔ اس میں الفاظ کا انتخاب اسی طرح کرنا چاہیے جس طرح ٹیلیگرام کے لیے کیا جاتا ہے لیکن انھیں اتنا مختصر بھی نہیں ہونا چاہیے کہ صورت حال ہی واضح نہ ہو۔

مکالمے لکھتے وقت یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ مکالمے لکھ رہے ہیں بلکہ یہ سوچنا چاہیے کہ مکالمے بول رہے ہیں۔ مکالمے مختصر ہوں، موقع و محل کے لحاظ سے ہوں، سادہ اور سلیس ہوں، کتابی زبان کے بجائے بات چیت کی زبان میں ہوں۔ ان سے حرکت و عمل میں مدد ملے، ان میں کردار نگاری کا خیال رکھا گیا ہو اور ان سے کرداروں کی نفسیات و معاشرت کی ترجمانی ہو۔ مکالموں میں کرداروں کی صحیح فطرت و معاشرت کی عکاسی کے لیے مختلف طبقوں کی زبان پر دسترس ہونی چاہیے اور نہ صرف زبان بلکہ زبان کے پیچھے جو تہذیبی عوامل کام کرتے ہیں، ان سے بھی واقفیت ہونی چاہیے۔ تب ہی وہ اپنے کرداروں کو ان کی معاشرت کے مطابق الفاظ دے سکے گا۔

اسکرپٹ فارمیٹ (Script Format):

فلم اور ٹیلی ویژن کی اسکرپٹ کا ڈھانچہ (Format) بہت ہی مخصوص قسم کی تحریر ہوتی ہے۔ اس سے مختلف مقاصد حاصل کیے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ اسکرپٹ نگار کا Visualizatation ڈائرکٹر تک اس طرح پہنچاتی ہے کہ رائٹر کے مقصد کو وہ اچھی طرح سمجھ لے اور اس کی حقیقی متحرک پیش کش کر سکے۔ دوسرے یہ کہ پروڈیوسر اس کے ذریعے خرچ کے تخمینے کی منظوری دیتا ہے۔ سین کی شوٹنگ کا مقام کیا ہوگا، کس قسم کے اداکار ہوں گے، موسیقی کیسی ہوگی، مخصوص اثرات مرتب کرنے کے لیے کن کن چیزوں کی ضرورت ہوگی، ساز و سامان کیا کیا استعمال ہوگا، کون کون سے اور کس معیار کے آلات کی ضرورت ہوگی، ان تمام تفصیلات کا اندازہ اسکرپٹ سے کیا جاتا ہے اور انھی پر خرچ کے تخمینے کا انحصار ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ پروڈکشن ٹیم کے ممبروں کے لیے بھی اسکرپٹ ایک اہم کار آمد دستاویز ہے۔ لہٰذا اس میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر، پروڈکشن اسسٹنٹ اور دوسرے لوگوں کے لیے الگ الگ نشانات ہوتے ہیں۔ اسے ہر ایک کے کام کی نوعیت کے لحاظ سے کئی حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ شوٹنگ کے دوران اسکرپٹ سپروائزر کے ذریعے اس میں جو نوٹس لکھے جاتے ہیں وہ پروگرام کے مختلف

حصوں کو جوڑنے کے لیے ایڈیٹر کے پاس ایک بہت ہی موثر ذریعہ ہوتے ہیں۔

اسکرپٹ کے بنیادی طور پر تین حصے ہوتے ہیں۔

- سین کے عنوان (Scene Heading) کے تحت سین کا مقام اور وقت ظاہر کیا جاتا ہے۔
- سین کے بیان (Scene discription) میں Visual کی حرکات کا مختصر مگر جامع بیان آواز اور موسیقی کے ساتھ ہوتا ہے۔
- مکالمے اور بیانیے (Diologue and Narration) کے تحت تمام بولے جانے والے الفاظ آجاتے ہیں، خواہ وہ کرداروں کے ذریعے ادا کیے جائیں یا راوی کے۔ اس کی ایک مختصر مثال اسی ترتیب سے ملاحظہ ہو:

1- (سین کا عنوان)	:	آفس میں داخلہ، دن کا وقت۔
2- (سین کا بیان)	:	ناصر آفس میں داخل ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں کاغذ کا پلندہ ہے وہ چہرے سے جھلایا ہوا لگ رہا ہے۔ کاغذات کا پلندہ مسٹر سود کے سامنے میز پر پٹک کر کہتا ہے۔
3- (مکالمہ) ناصر	:	یہ مجھے آپ نے بھجوایا ہے۔
مسٹر سود	:	ہاں میں نے ہی بھیجا ہے۔
ناصر	:	مسٹر سود! یہ لگاتار چوتھا ہفتہ ہوگا جب مجھے چھٹیوں میں کام کرنا پڑے گا۔

یوں تو اسکرپٹ کی کئی ہیئتیں ہیں لیکن بنیادی طور پر دو ہیئتیں زیادہ مقبول و مروج ہیں۔ ایک "دو کالمی ہیئت" اور دوسری "اسکرین پلے ہیئت"۔ اسکرپٹ کے مذکورہ بالا تینوں اجزا ان دونوں ہیئتوں میں پائے جاتے ہیں۔ دوسری ہیئتیں جیسے اسٹوری بورڈ، اور ڈوکومینٹری اسکرپٹ بھی ٹیلی ویژن کے لیے استعمال ہوتی ہیں لیکن کم کم۔

دو کالمی ہیئت:

دو کالمی ہیئت میں کاغذ کو اوپر سے نیچے، دو حصوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ پروگرام سے متعلق بصری نشانات (Vedeo or Picture) بائیں کالم میں اور آڈیو (Audio) یعنی سنائی دینے والی چیزیں داہنے کالم میں درج ہوتی ہیں (اردو چونکہ داہنی طرف سے لکھی جاتی ہے لہٰذا اس میں یہ ترتیب الٹ جائے گی)۔ اس ہیئت میں بصری حصے کی تفصیل کے لیے وافر جگہ ہوتی ہے اور ساتھ ہی مکالمے یا بیانیے کے لیے بھی با آسانی جگہ نکل آتی ہے۔ یہ ہیئت خصوصاً ان پروگراموں کے لیے بہت موزوں ہے جن میں کئی کیمرے ایک ساتھ استعمال ہوتے ہیں کیمرے کے ایک دو تین کر کے نمبر ہوتے ہیں۔ ڈائرکٹر "ٹیک ون"، "ٹیک ٹو"، "ٹیک تھری" کے ذریعے موقع و محل کی مناسبت اور ضرورت کے مطابق ہدایت دیتا جاتا ہے۔ جس کیمرے کا نمبر بولتا ہے وہی کیمرہ کام کرتا ہے۔ ڈائرکٹر اسکرپٹ میں کیمرے کا نمبر سین کے ساتھ درج کرتا جاتا ہے۔

اس قسم کی ہدایت کے لیے دو کالمی ہیئت بہت کارآمد ہوتی ہے کیوں کہ اس میں ٹیک پوائنٹ کی نشاندہی حرکت و عمل کے ساتھ بہ آسانی ہو جاتی ہے اور مکالمہ و بیانیہ کے علاوہ ڈائرکٹر کے نوٹ کو بھی آسانی سے درج کیا جاسکتا ہے۔ ڈائرکٹر کے ٹیک پوائنٹ کے علاوہ دوسری ہدایات جیسے سوپرامپوز، ٹائٹل نوٹیشن، نقل مکانی یا کوئی اور ہدایت جو ڈائرکٹر دینا چاہے، اس کے لکھنے کی گنجائش بھی اس میں ہوتی ہے۔ اس ہیئت کی کچھ خاص باتیں اس طرح ہیں:

پورے اسکرپٹ میں صفحہ نمبر دیا جائے۔

ہر نیا ایکٹ یا سین نئے صفحے سے شروع کیا جائے اور اس کی ابتدا میں لکھا جائے ایکٹ ایک۔ سین ایک، یا ایکٹ تین سین دو۔ اسے جلی حروف میں لکھا جائے اور اس کے نیچے لائن کھینچ دی جائے۔

اسکرین پلے ہیئت:

اسکرپٹ کی اس ہیئت میں کاغذ کو کالم میں تقسیم نہیں کیا جاتا۔ بلکہ سین کی وضاحت پورے کاغذ پر درج کی جاتی ہے۔ مکالمہ یا بیانیہ کاغذ کے وسط میں لکھا جاتا ہے۔ مزید تفصیلات درج ذیل ہیں۔

- اگر سین دوسرے صفحے پر جاری رہتا ہے تو صفحے کے آخر میں "جاری ہے" لکھنا چاہیے اور نئے صفحے کے اوپری کونے میں بھی "جاری" لکھنا چاہیے۔
- اگر مکالمہ دوسرے صفحے پر جاتا ہے تو پہلے صفحے پر جملہ مکمل ہو جانا چاہیے اور دوسرے صفحے پر کردار کے نام کے ساتھ "جاری ہے" درج کرنا چاہیے۔
- نئے ایکٹ اور سین کا نمبر، کیمرے کا نیا زاویہ، نیا شاٹ، خصوصی اثرات کو ظاہر کرنے والے الفاظ اور سین میں ہدایات دینے والی اصطلاحیں جیسے "کٹ" اور "ڈیزالو" کو جلی حروف میں ہونا چاہیے۔
- کرداروں کے ناموں کو بھی جلی حروف سے نمایاں کرنا چاہیے۔ کچھ اسکرپٹ نگار صرف ابتدا میں ہی کرداروں کے ناموں کو جلی کرتے ہیں۔ مگر بعض حضرات ہر جگہ جلی کرتے ہیں۔ دونوں طریقے مروج ہیں۔
- صفحے کے داہنی طرف ڈیڑھ انچ اور بائیں طرف ایک انچ کا حاشیہ ہونا چاہیے۔

● مکالمے اور بیانیے صفحے کے وسط میں آئیں اس کے لیے داہنی طرف تین انچ اور بائیں طرف دو انچ کی جگہ چھوڑی جائے۔
● اس ہیئت میں کردار کا نام مکالمے کے اوپر صفحے کے وسط میں آتا ہے۔اس کے لیے داہنی طرف سے چار انچ جگہ چھوڑ کر لکھنا چاہیے۔
● صفحے کے اوپر اور نیچے بھی ایک ایک انچ کا حاشیہ ہونا چاہیے۔
● صفحہ نمبر اوپر سے آدھا انچ اور بائیں طرف سے ایک انچ چھوڑ کر لکھنا چاہیے۔

یہ ایک روایتی ہیئت ہے جو عموماً فلم کے لیے استعمال ہوتی تھی اور ایسے پروگراموں کی شوٹنگ کے لیے جو ایک کیمرے سے ہو۔ یہ ہیئت لوکیشن شوٹنگ یعنی اسٹوڈیو سے باہر کی شوٹنگ کے لیے زیادہ کارآمد ہے۔ عموماً اس میں کیمرے کا زاویہ بھی درج نہیں کیا جاتا۔ اس کا پورا ڈائرکٹر کو دیا جاتا ہے وہ جس زاویے سے چاہے شارٹ لے۔

ڈوکومینٹری اسکرپٹ:

ڈوکومینٹری کے لیے اسکرپٹ تحریر کرنے سے پہلے شوٹنگ کرلی جاتی ہے۔ پھر شوٹنگ کیے ہوئے مواد کے پیش نظر اسکرپٹ تحریر کی جاتی ہے، تاکہ بصری نشانات کو ایک ڈھانچے کے اندر ترتیب دیا جاسکے۔ اس میں بیانیہ، بصری نشانات میں ربط پیدا کرنے یا وضاحت کے لیے ہوتا ہے۔ لہٰذا ڈوکومینٹری کی اسکرپٹ کے نام پر شوٹنگ سے پہلے صرف ایک خاکہ سا تیار کرلیا جاتا ہے جو ڈائرکٹر یا کیمرہ مین کی رہنمائی یا مدد کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن شوٹنگ کے بعد جب اسکرپٹ تیار کی جاتی ہے تو دو کالمی ہیئت میں ہی تحریر کی جاتی ہے۔ ایک کالم میں آڈیو اور دوسرے کالم میں ویڈیو تحریر ہوتا ہے۔

اسکرپٹ فلم یا ویڈیو ٹیپ تیار کرنے کا پہلا مرحلہ ہے مگر اس کے دوسرے مرحلے بھی اسکرپٹ سے منسلک ہیں اس لیے ان کے بارے میں بھی یہاں گفتگو کرلینا مناسب ہوگا۔ دراصل ویڈیو ٹیپ اور فلم پروگرام تیار کرنے کے پورے مرحلے کو چار حصوں میں بانٹا جاتا ہے:

1- لکھنا(Writing):

اس مرحلے کی ابتدا اس وقت ہوتی ہے جب کوئی پروڈیوسر موکل یا خریدار کسی اسکرپٹ نگار سے کسی موضوع پر اسکرپٹ تیار کرنے کو کہتا ہے۔ سب سے پہلے پروڈیوسر اور رائیٹر کی میٹنگ ہوتی ہے جس میں پروگرام کی تفصیلات یعنی مسئلے، موضوع اور مواد کا تعین ہوتا ہے۔ پھر رائیٹر مختلف ذرائع سے مواد اکٹھا کرتا ہے۔ مواد جمع کرنے کے طریقۂ کار اور ذرائع کا انحصار پروگرام کے موضوع اور نوعیت پر ہوتا ہے۔ کچھ رائیٹر دو کاغذات تیار کرتے ہیں۔ وہ ایک پر اسکرپٹ اور دوسرے پر ٹریٹمنٹ لکھتے ہیں۔ کبھی کبھی کچھ پروڈیوسر مواد کا خاکہ یا تلخیص تیار کرنے کو کہتے ہیں۔ رائیٹر اکثر اسکرپٹ کا پہلا دوسرا اور تیسرا مسودہ تیار کرتا ہے۔ اسکرپٹ کا آخری مسودہ تیار ہوجانے کے بعد پروڈیوسر، ڈائرکٹر اور خریدار مل کر اسے پردے پر بصری پیکروں کے ذریعے پیش کیے جانے کے امکانات پر غور کرتے ہیں۔ ترمیم واضافے کے بعد اسکرپٹ کو منظوری دے دیتے ہیں۔ یہیں پروڈیوسر اخراجات کا اندازہ لگاتا ہے۔

2- پروڈکشن سے پہلے(Pre Production):

اسکرپٹ کے منظور ہوجانے کے بعد رائیٹر کی موجودگی ضروری نہیں ہوتی۔ کبھی کبھار اس سے کسی سین کی تصویری پیش کش کے بارے میں مشورہ کرلیتا ہے، یا کبھی کسی سین میں ترمیم یا اضافے کے لیے اسے بلا لیتا ہے۔ رائیٹر کی موجودگی یا غیر موجودگی میں اب اسکرپٹ ہی سب کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہے۔ شوٹنگ شروع کرنے سے پہلے کا یہی وہ مرحلہ ہے جس میں وہ سارے انتظامات کیے جاتے اور وہ تمام لوازمات مہیا کرائے جاتے ہیں جو ہر طرح سے مکمل شاٹ لینے کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ یہیں پورے پروڈکشن کا طریقۂ کار اور پروگرام طے ہوتا ہے۔ ان سب تیاریوں میں کتنا وقت لگتا ہے یہ منحصر ہوتا ہے آپ کی اسکرپٹ کی نوعیت پر۔ اسکرپٹ میں جتنے کردار ہوں گے اسی کے لحاظ سے اداکاروں کا انتخاب اور ان سے معاہدہ ہوگا۔ سین کی مناسبت سے مقامات کا انتخاب کرکے ان کا معائنہ کرنا ہوتا ہے کہ کیا وہ پروڈکشن کی ضروریات کے مطابق ہیں، کیا وہاں لائٹ، ساؤنڈ کے آلات اور دوسرے آلات کو استعمال کیا جاسکے گا اور پروڈکشن ٹیم کے افراد کی ذاتی ضروریات فراہم ہوسکیں گی۔ اگر اسکرپٹ کسی عالیشان سیٹ کی مانگ کرتی ہے تو اسکرپٹ کی تفصیلات کے مطابق اسے بنایا، سجایا، سنوارا جاتا ہے۔ اسکرپٹ نگار جہاں ضمنی جزئیات کو بھی مکمل کرنے کی تاکید کردیتا ہے وہاں صرفے اور وقت پر دھیان دیے بغیر جزئیات کو مکمل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

3- پروڈکشن:

تمام تیاریاں مکمل ہوجانے کے بعد شوٹنگ کا کام شروع ہوتا ہے۔ یہاں اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ کم سے کم وقت میں شوٹنگ مکمل کرلی جائے۔ کیوں کہ یہ بہت مشکل مہنگا اور گنجلک کام ہوتا ہے۔ شوٹنگ کے لیے عموماً تین سے سات لوگوں کے عملے کی ضرورت ہوتی ہے جس میں مندرجہ ذیل لوگ شامل ہوتے ہیں:

● ڈائرکٹر:

اس شخص پر اسکرپٹ کو فلم، ویڈیو یا آڈیو ٹیپ پر منتقل کرنے کی پوری

ذمّے داری ہوتی ہے۔

● **اسسٹنٹ ڈائرکٹر:**
اس پر بھی کام کا کافی بوجھ ہوتا ہے کیوں کہ یہ ڈائرکٹر کا دستِ راست ہوتا ہے۔

● **کیمرہ آپریٹر، لائٹنگ ڈائرکٹر:**
یہ شخص روشنی کا انتظام کرتا اور کیمرے کے استعمال کا ذمّے دار ہوتا ہے۔

● **ساؤنڈ انجینئر:**
یہ فرد آواز کو ریکارڈ کرنے کی ذمّے داری نبھاتا ہے۔

● **گوفر(Goffer):**
یہ لائٹ ڈائرکٹر کا پہلا نائب ہوتا ہے۔

● **گرپ(Grip):**
یہ عام لیبر اسسٹنٹ ہوتا ہے۔

● **پروڈکشن اسسٹنٹ:**
یہ پروگرام کا عام اسسٹنٹ ہوتا ہے جو عام انتظامات میں مدد کرتا ہے۔

اسکرپٹ کو فلمانے کے لیے ان تمام لوگوں کو بہت محنت مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ اس میں بہت وقت صرف ہوتا ہے۔ پروڈکشن کے نقطہ نظر سے یہ بہتر ہوتا ہے کہ مقام اور وقت کا خصوصی طور پر تعین نہ کیا جائے۔ بلکہ ایسی چیزوں کے انتخاب کا اختیار ڈائرکٹر کو دے دیا جائے۔

اسکرپٹ کو پروڈکشن میں سہولت پیدا کرنے کے لائق بنانے کے لیے ایک طریقہ یہ بھی استعمال کیا جاسکتا ہے کہ کسی سین کو لکھ کر بار بار یہ تصور کیا جائے کہ کاغذ پر جو کچھ لکھا گیا ہے اسے کسی مقام پر کیمرے کے سامنے مکمل تفصیل کے ساتھ عملاً کس طرح پیش کیا جائے گا۔ کیا یہ سب کچھ مقررہ وقت کے اندر اس طرح عملاً پیش کیا جاسکے گا کہ کیمرہ اسے ریکارڈ کرلے۔ پھر یہ تصور کرنا چاہیے کہ مطلوبہ اثرات اس سے سادہ اور آسان طریقے سے پیش کیے گئے سین کے ذریعے مرتب کیے جاسکتے ہیں یا نہیں۔ اگر یہ ممکن ہے تو سین کے اندر ترمیم کرلینی چاہیے۔ ورنہ جوں کا توں رہنے دینا چاہیے۔ اس بات کو مندرجہ ذیل مثال سے بھی سمجھا جاسکتا ہے:

غروب آفتاب کا وقت ہے۔ حامد اپنی کار میں بیٹھ کر کوٹھی کے گیٹ سے باہر نکل رہا ہے کہ اس کی بیوی خالدہ باہر سے ہاتھ میں کچھ تھیلے اٹھائے ہوئے وہاں آجاتی ہے۔ حامد کار روک کر کار کی کھڑکی سے سر باہر نکال کر کہتا ہے۔

حامد : سجاد کی طبیعت پھر خراب ہوگئی ہے۔ اس کی بیوی کا فون آیا تھا۔ میں وہی جارہا ہوں۔

خالدہ : ارے یہ تو بہت برا ہوا۔ آپ جلدی جایئے اور فون پر مجھے اس کا حال بتایئے گا۔

حامد : لیکن وہ ہمارا ڈنر کا پروگرام؟

خالدہ : دیکھا جائے گا میں گھر میں کچھ بنالوں گی۔

حامد : ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔

خالدہ : فوراً فون کیجیے گا۔

حامد : ٹھیک ہے۔

اس سین کی شوٹنگ میں کئی قباحتیں ہیں۔ غروب آفتاب کے وقت کی شوٹنگ بہت مشکل ہوتی ہے۔ اس وقت ہر پل روشنی کم ہوتی جاتی ہے اور اس کا رنگ بھی بدلتا جاتا ہے۔ پھر سڑک کے قریب کی شوٹنگ میں ٹریفک کی آمد و رفت اور شور پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے اور جب تک دوسری آوازوں پر قابو نہیں پایا جائے گا مکالموں کی ادائیگی اور آواز کا معیار اچھا نہیں ہوگا۔

اگر اس سین کو اس طرح کر دیا جائے کہ حامد گھر سے باہر نکلنے کے پہلے الماری سے اپنا کوٹ نکال رہا ہے۔ تبھی خالدہ کا کال بل بجائے اور پھر سارا مکالمہ گھر کے اندر ادا ہو تو شوٹنگ میں کافی آسانی ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ باہر والی شوٹنگ میں ایک گھنٹہ لگے گا تو اندر والی شوٹنگ بیس منٹ میں ہو جائے گی۔

4- پروڈکشن کے بعد(Post-Production):

شوٹنگ مکمل ہو جانے کے بعد یہ مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ اس میں شوٹنگ کی ہوئی فلم یا ٹیپ کی ایڈیٹنگ کی جاتی ہے۔ ایڈیٹنگ کا کام مرصع سازی کے مترادف ہے۔ آپ کے سامنے سونے کا ڈلا رکھا ہو، خواہ کتنا ہی قیمتی ہو نہ اس میں کوئی حسن ہوگا، نہ اسے استعمال کیا جاسکے گا، جب تک مرصع ساز تراش خراش کر نگینوں کو جڑ کر اسے زیور کی شکل نہ دے دے۔ کچھ یہی صورت شوٹنگ کی ہوئی فلم یا ٹیپ کی ہوتی ہے۔ ایڈیٹنگ کرنے والا زائد چیزوں کو کاٹ چھانٹ کر نکالتا ہے، مختلف چیزوں کو جوڑ کر ربط و تسلسل پیدا کرتا ہے، کسی چیز کو ایک مقام سے ہٹا کر دوسرے مقام پر رکھتا ہے، دو تین زاویے سے لیے گئے شاٹ کا موازنہ کر کے سب سے مناسب و موزوں شاٹ کو فٹ کرتا ہے۔ اس طرح اڈیٹر خام مال کو تیار مال میں تبدیل کرتا ہے۔ اس کے لیے ایڈیٹر اسکرپٹ کی اس ماسٹر کاپی کو اپنے ساتھ رکھتا ہے جس پر اسسٹنٹ ڈائرکٹر یا پروڈکشن اسسٹنٹ نے نوٹ لکھے تھے۔

□□□

Reader, Centre for Indian Languages,
School of Language, Literature and Culture Studies, JNU, New Delhi-67

انورادھا بھٹاچارجی

خبروں کا روزینہ

کیا آپ نے کبھی یہ خواہش کی ہے کہ خود مائیکروفون پکڑیں اور اپنا پسندیدہ خبر نامہ پیش کریں یا یہ خواہش کہ اپنی مرضی کا اخبار نکالیں، جن کی سرخیاں خود آپ نے لگائی ہوں؟ اب یہ اتنا مشکل بھی نہیں ہے کیوں کہ آپ یہ خواب واشنگٹن کے "نیوزیم" (Newseum) میں پورا کر سکتے ہیں۔

آپ Interactive Newsroom میں Touch Screen کمپیوٹر پروگرام کو استعمال میں لاکر تفتیشی رپورٹر کی حیثیت سے اپنی مہارت کی جانچ کر سکتے ہیں، اگلے روز کے پہلے صفحے کی خبروں کو بحیثیت مدیر منتخب کر سکتے ہیں یا فوٹوگرافر (فوٹو نامہ نگار) کی حیثیت سے سنسنی خیز و توقع کی تصویر لا سکتے ہیں۔ Ethics Centre یہ بتاتا ہے کہ ایک صحافی کیسے مشکل اخلاقی سوالوں کا روزانہ نیوز روم میں سامنا کرتا ہے۔ یا آپ نشریاتی اسٹوڈیو (Broadcast Studio) میں ٹیلی ویژن اور ریڈیو پروگرام تیار ہوتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں اور صحافیوں اور خبر تشکیل دینے والوں کے ساتھ بات چیت کر کے اندرونی کہانی معلوم کر سکتے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں Birthday Banner Centre میں آپ کسی دن، کسی تاریخ، کسی سال کی سرخی کو بہ آسانی کمپیوٹر میں تاریخ درج کر کے معلوم کر سکتے ہیں یا اس کی نقل حاصل کر سکتے ہیں۔

خبروں سے متعلق خبریں؟ جی ہاں، اس ضمن میں بہت سی باتیں کرنے کو ہیں۔ آپ ابتدائی زمانے سے لے کر جدید دور تک انھیں کئی شکلوں میں تلاش کر سکتے ہیں۔ Bob Woodward کے ہاتھ سے لکھے ہوتے واٹر گیٹ نوٹس (Watergate Notes) کے صفحات، اور پیٹر آرنیٹ (Peter Arnett) کا مائیکروفون جو خلیجی جنگ کے دوران بغداد میں استعمال کیا گیا تھا، جیسی چیزیں Early News Gallery میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ Hearst اور Pulitzer کے 1898 کی ہسپانوی، امریکی جنگ کی حریفانہ رپورٹوں کی ورق گردانی کیجیے اور Yellow-Kid شکل کا کھلونا، جو کہ کارڈس اور جن کی تجارت کرتا ہوا امریکہ کے پہلے مقبول کارٹون کردار کی یاد دہانی کراتا ہے، جس کا استعمال Hearst اور Pulitzer نے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے کیا تھا اور یہیں سے زرد صحافت کا آغاز ہوا۔

تھک گئے آپ! ابھی بھی بہت کچھ ہے۔ "میوزیم" کے قلب میں واقع 126 فٹ لمبے Video News Wall پر تازہ خبروں کا مزہ لیجیے، جہاں روزانہ کی خبریں نو ویو قامت ویڈیو اسکرین پر دکھائی جاتی ہیں۔ BBC لندن، CNN، MSNBC، NHK ٹوکیو، ڈوئچے ویلے جرمنی، NTV، Al-Jazeera روس، TVS فرانس، CBC Newsworld اور International Associated Press اور بہت کچھ۔ ایک News Zipper or Ticker دنیا بھر کی تازہ خبروں کی سرخیاں پیش کرتا ہے۔

Video Wall کے نیچے 50 امریکی اور 20 بین الاقوامی روزنامہ اخباروں کے اوّل صفحات نصب ہوتے ہیں جن میں اُس دن کی دنیا بھر کی خبریں ہوتی ہیں۔ "نیوزیم" کے داخلے پر لفظ "خبر" 50 مختلف زبانوں میں لکھا ہوا ہے اور اس کا اصولِ عمل (Motto)۔ "خبروں کا ماضی، حال اور مستقبل۔" اس سفر کے لیے راہ ہموار کرتا ہے۔

اس سفر کا آغاز Daned Theatre میں خبروں سے متعلق 15 منٹ کی ایک مختصر تعارفی IMAX فلم سے ہوتا ہے۔

News History Gallery خبروں کے غیر معمولی سفر کا سراغ لگاتا ہے جو اس نے قدیم دور سے "عالمی گاؤں" کے تصور تک کیا ہے اور یہ دکھاتا ہے کہ یہ بولتی ہوئی کہانی سے کیسے دنیا بھر میں اطلاعاتی دھماکہ بن گئی۔

"نیوزیم" میں آبی پرندے لق لق کے سر نما مصری Thoth (660 ق م) کا قدیم مصری مجسمہ نصب ہے جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ خط تصویری (Hieroglyphs) کا موجد، وقت کا ناپض، انصاف کا علمبردار اور حقیقت کا متلاشی تھا۔ Thoth کے بارے میں یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ وہ خداؤں کا کاتب اور کاتبوں کا خدا تھا۔ اس کے برابر میں سمیری خانہ نما تختیاں (2176-562 ق م) رکھی ہیں، جو ابتدائی تحریروں اور رکارڈوں کے نمونے ہیں۔ افریقی اور ایشیائی ڈھولک اس خیال کے مظہر ہیں کہ آواز عوامی رابطے کا ذریعہ ہے۔ ایک ماین (Mayan) گلدان جس پر شرفا اور کاتبوں کی تصویریں منقش ہیں، ایک گھونگے کا خول، اور قرونِ وسطیٰ کے خطوط اور خبر نامہ، یہ سبھی اس بات کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ خبر رسانی اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ تہذیب و تمدن۔

News History Wall خبروں اور خبر تخلیق کرنے والے افراد

کی کہانی پیش کرتا ہے یہ دیوار دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے اور 1500 سے 1980 تک کا احاطہ کرتی ہے۔ 1700 والے حصے میں پریس کی آزادی سے متعلق ایک خبر آویزاں ہے۔ اس خبر کی حیثیت سنگِ میل کی سی ہے جس کے مطابق "ناشر John Peterzenger نے گورنر پر تنقید کی اور جیل پہنچ گیا۔" Newyork Weekly Journal کے اگلے شمارے کے لیے اس نے سلاخوں کے پیچھے سے کہانی لکھوائی اور گورنر کا شکریہ ادا کیا۔ 1800 کے نمائشی حصے میں انسان برائے فروخت کے کلاسفائیڈ کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ "برمیوڈا کی ایک انیس سالہ جوان نیگرو عورت برائے فروخت ہے۔" یہ صرف ایک نمونہ ہے۔

اس حصے میں واقع وافر نوادرات کے نمونے اٹھارویں صدی کی لکڑی والی پرنٹنگ پریس (امریکہ میں بچ جانے والی نو میں سے ایک) سے لے کر Nol Linotype ٹائپنگ کا ایک آلہ، جس نے امریکی اخباروں کی پیداوار میں انقلاب برپا کردیا، پہلا رنگین ٹی وی کیمرہ، جس کے ذریعے CBS Walter Cronkites کی شام کی خبروں کو نشر کرنے کے لیے ریکارڈ کرتا تھا، سے لے کر Telestar کا ایک ماڈل ہے، جو کہ پہلا تجارتی مواصلاتی سیارچہ تھا۔

گذشتہ 150 سال کی 100 سے زیادہ ناقابلِ فراموش خبری تصویریں چھت سے لٹکی ہوئی ہیں۔ وقت میں قید فلم اسٹاروں، صدور، اور جنگ کی کساد بازاری اور تحریکِ انسانی حقوق کی تصویریں ہیں۔ یہاں Database کی مدد سے اہم اور دلچسپ خبروں اور مخصوص صحافیوں کے کارناموں کو ان کے نام، عہد، میڈیا (سے تعلق) یا پیشے کے ذریعے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

تاریخ کے کچھ عظیم ترین لمحوں کو "نیوزیم" کے چار تھیٹروں میں سے ہر ایک میں فلموں اور تصویروں کی مدد سے دوبارہ زندہ کیا جاسکتا ہے۔ پریس کارڈ کے شعبے میں ایسے پریس کارڈوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے جو کئی تاریخی مواقع پر استعمال کیے گئے۔ مثلاً Air Force One (امریکی صدر کا سرکاری جہاز) پر صدر کے ساتھ سفر کرنے کے لیے یا صدر کی حلف برداری کے موقع پر یا استقبالیہ پروگراموں کے لیے۔ یہاں یہ بیان درج ہے۔ "ہاتھ میں پکڑے، ہیٹ میں اٹکے، گردن میں لٹکے ان پریس کارڈوں نے ہل کارڈ کو جائے وقوع پر اگلی نشستوں میں جگہ دلوائی، جن واقعات نے ہمارے عہد کو تشکیل دیا۔" خصوصی نمائش "نیوزیم" کے معمولات کا حصہ ہیں۔ اس رپورٹر کے دورے کے دوران The Pulitzer Prize Photograph:Capture The Moment کے عنوان سے 1941 (پہلا سال جب تصویروں کے لیے انعام دیا گیا) سے 1999 تک انعام حاصل کرنے والی تصویریں بھی ہوئی تھیں۔ ان میں کچھ دل دوز تصویریں مثلاً کوسوو (Kosovo) کے پناہ گزینوں، اور کولمبیا کے ایک ہائی اسکول میں گولی چلانے کے حادثے کی تصویریں شامل تھیں۔ تصویریں ان چیزوں کا احاطہ کرنے والی جن کی صلاحیت صرف انسان میں ہے: محبت، نفرت، دہشت، بھوک، ہمت، بہادری۔ آپ کا دل بھر آئے گا یا آنکھیں نم ہوجائیں گی جب آپ ایک تصویر سے دوسری تصویر کی جانب بڑھیں گے۔

"نیوزیم" سے متصل Freedom Park ہے جسے "آزادی کی روح" سے معنون کیا گیا ہے۔ یہ پارک زندگی کی اُس روح کا احاطہ کرتا ہے جو آزادی کے لیے عالمی جدوجہد کی علامت ہے۔

پارک کے مرکز میں شیشے کا لمبا چکردار Journalists Memorial واقع ہے، جو رپورٹنگ کے دوران مارے گئے صحافیوں کو خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے۔ 2000 تک اس شیشے کے پینل پر 1369 نام کندہ کیے جاچکے تھے۔

"نیوزیم" کا یہ سفر ایسا ہی ہے جیسا Time Machine پر سوار ہو کر خبروں کے ماضی، حال اور مستقبل کا سفر کرنا۔

(روزنامہ "پامیر" 27/ مئی 2001 کے شکریے کے ساتھ،
ترجمہ: معین الدین خاں)

آندھی میں چراغ	انسانی شخصیت کے اسرار و رموز	اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ
خواجہ غلام السیدین	پروفیسر ساجدہ زیدی	ڈاکٹر مسعود ہاشمی
مصنف کا ماننا ہے کہ "ہر انسان ایک انمول شخصیت کا امین ہے اور اس کی نشوونما اور پوشیدہ صلاحیتوں کی تربیت فرد اور جماعت دونوں کا فرض ہے۔" یہ کتاب شخصی اور واقعاتی حوالوں سے اسی اجمال کی تفصیل پیش کرتی ہے۔	علم النفسیات کا سب سے اہم پہلو شخصیت کی نفسیات ہے۔ اس کتاب میں انسانی شخصیت کے کرداری، تحرکی، جبلی، فعلی اور امکانی عناصر اور ان کی نموپذیر شخصیت کی پردہ کشائی کی کوشش کی گئی ہے۔	اس کتاب میں منظوم نصابی لغت ناموں سے اردو کی تمام معروف و مستند لغات تک کا مفصّل تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اور ان کی خوبیوں کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ خامیوں کو بھی سامنے لایا گیا ہے۔
دوسرا ایڈیشن	پہلی اشاعت	پہلی اشاعت
376 صفحات — قیمت: 73 روپے	456 صفحات — قیمت: 123 روپے	238 صفحات — قیمت: 30 روپے

مرزا غالب　　　　پانچویں قسط

اٹھارہ سو ستاون کی کہانی مرزا غالب کی زبانی

27/ فروری کو جب سنیچر کا دن رات میں تبدیل ہو گیا اور رات کے تین پہر گزر گئے، داد خواہوں کے دل کا دھواں، رات کو روشن کرنے والے چاند پر اس طرح چھا گیا کہ دیکھنے والے بے اختیار چیخ اٹھے، چاند گہن میں آگیا۔ اسی سنیچر کے دن ''دور باش'' کا فرمان اٹھ گیا۔ انصاف طلب رنجوروں کو باریابی اور پناہ خواہ آرزومندوں کو پناہ دے دی گئی۔ جاننا چاہیے کہ اس شہر میں قید خانہ شہر سے باہر ہے اور حوالات شہر کے اندر۔ ان دونوں جگہوں میں اس قدر آدمیوں کو جمع کر دیا گیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے ایک دوسرے میں سمائے ہوئے ہیں۔ ان دونوں قید خانوں کے ان قیدیوں کی تعداد جنھیں مختلف اوقات میں پھانسی دے دی گئی، ملک الموت جانتا ہے۔ مسلمان شہر میں ایک ہزار سے زیادہ نہیں ملیں گے اور راقم الحروف بھی انھیں ہزار میں سے ایک ہے۔ فرار اختیار کرنے والوں میں کچھ اس قدر دور نکل گئے ہیں، جیسے کبھی اس سر زمین پر تھے ہی نہیں۔ بہت سے عالی مرتبہ شہر کے گرداگرد، دو دو چار چار کوس پر، ٹیلوں، گڑھوں، جھونپڑوں اور کچے مکانوں میں اپنے مقدر کی طرح، پڑے اونگھ رہے ہیں۔ ان ویرانہ نشینوں میں یا تو وہ ہیں جو شہر میں رہنے کے خواہشمند ہیں، یا ان لوگوں کے اقربا جو قید میں ہیں یا پھر پنشن داروں کی طرح کے خیرات خور۔ لوگوں کی درخواستوں میں، رہائی کی خواہش، آبادی کی مانگ اور پنشن کے اجرا کی بھیک کے سوا اور کچھ نہیں ملے گا۔ داد خواہوں کی دو تین ہزار درخواستیں عدالت میں جمع ہو چکی ہیں۔ داد خواہ چشم براہ اور گوش بر آواز ہیں کہ کیا دیکھنے اور سننے میں آئے۔ میرا دل بھی اس نیاز مندانہ ستائش نامے کے جواب کی تمنا سے، جو میں نے ڈاک میں روانہ کیا ہے، آزاد نہیں ہے۔ نہ اب تک مختلف اندیشوں کے سبب سے، حاکم کی قیام گاہ پر جانا اور حاکم سے ملاقات کرنا ممکن ہوا ہے۔ قصۂ مختصر ایسے دکھ لاحق ہیں جو کانٹوں کی طرح کھٹکتے ہیں۔ چلو تو راستے میں نظر پڑیں گے اور بیٹھو تو کپڑوں میں۔ ابھی صبر بے تابی پر غالب تھا کہ پیر کے دن مارچ کی آٹھویں تاریخ کو وہ خط اس ہر طرح کی تحریر کے ساتھ، جو اس میں ملفوف تھی، میرے پاس واپس پہنچ گیا۔ خط کی پیشانی، جنبشِ قلم کی بدولت، دانش آموز حاکم کی پیش گاہ سے صادر شدہ، اس فرمان سے فروغ گیر تھی کہ خط بھیجنے والے کو لوٹا دیں، تاکہ وہ حاکمِ شہر کے توسط سے دوبارہ ہمارے پاس بھیجے۔ سب نے کہا اور میں نے بھی یہی جانا کہ یہ سود بخش جواب ایک امید افزا شگون ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ میری (عرضِ نیاز) قبول ہو گی، لہٰذا وہ خط جس پر فرمان ثبت تھا، مناسب عبارت بڑھا کر، حاکمِ داد گستر شہر یار، رعیت پرور، دانش مند چارلس سانڈرس صاحب کمشنر بہادر کے ملاحظے میں بھیجا اور ایک خاص خط، نامور موصوف کے نامِ نامی کے نام، جو پنشن پانے کی دیرینہ خواہش (کی گزارش) پر مشتمل تھا، ساتھ روانہ کیا۔ 17/ مارچ کو بدھ کے دن، حاکم کی پیش گاہ سے، پہلے معروضے کے بارے میں فرمان پہنچا کہ اس خط کا بھیجنا، جس میں تعریف اور تہنیت کے سوا اور کچھ نہیں، کسی طرح ضروری نہیں تھا۔ میں نے بھی سوچا کہ اس پر آشوب وقت میں، مہر و مروت اور تبریک و تہنیت کی کیا گنجائش۔ میں، کہ بندۂ شکم ہوں، مجھے روٹی چاہیے، دیکھوں وہ دوسری آرزو کس فرمان کی مستحق ٹھہرتی ہے؟ 18/ مارچ کو جمعرات کے دن شام کے وقت، توپ کی روح کو توانائی بخشنے والی آواز، فیروز مندی کا مژدہ لیے آسمان کے فیروزہ رنگ گنبد میں، گونج اٹھی اور جیسا کہ متوقع تھا لکھنؤ پر قبضہ ہو جانے اور شہر میں انتقام طلب انگریزی فوج کے حسب دل خواہ پھیل جانے کا علم ہوا۔ اس شہر کی آبادی قلعے اور شہر پناہ وغیرہ سے محروم ہے۔ جیسا کہ قیاس کیا جا سکتا ہے اُس طرف کی سپاہ کا انبوہ، اس طرف کے زور آوروں کے راستے کی دیوار بنا ہوگا، جب یہ غیر محکم دیوار، مردانِ کار کی جد و جہد کی آندھی سے بکھر گئی ہو گی تو بائیلین پیادوں اور سواروں کی گردِ خرام ہر راستے سے بلند ہوئی ہو گی، ہاں فضلِ ایزدی جسے شہر یاری بخشے اسے جہاں ستانی کی طاقت اور جہاں داری کی شوکت بھی بخشتا ہے۔ جو کوئی فرماں رواؤں کے سامنے گردن اکڑائے اس کا سر جوتوں کا مستحق ہے اور زیر دست کا زبردست سے بر سرِ جنگ ہونا خود آزاری کے مترادف۔ دنیا والوں کو یہی زیب دیتا ہے کہ خداوندانِ بختِ خداداد کے سامنے رضامندی سے سر جھکا دیں اور جہانداروں کے حکم کی تعمیل کو جہاں آفریں کے حکم کی

● ''دستنبو'' جس کا اردو ترجمہ درج بالا عنوان سے یہاں قسط وار شائع کیا جا رہا ہے، غالب کی وہ مشہور فارسی تصنیف ہے جو انھوں نے مئی 1857ء سے جولائی 1858ء تک دہلی میں رہ کر سپردِ قلم کی۔ اس مدت میں دہلی میں جو فوجی اور سیاسی واقعے رونما ہوئے غالب نے ان کی تفصیلات تاریخ وار رقم کی ہیں۔ غالب ان تمام واقعات کے چشم دید گواہ تو نہیں کہے جاسکتے کہ ان دنوں وہ خانہ قید تھے لیکن کچھ واقعات انھوں نے خود اپنی آنکھوں سے بھی دیکھے اور جو شنیدہ باتیں رقم کی ہیں، ان میں سے بیشتر کی تصدیق بھی دیگر ذرائع سے ہو چکی ہے۔ ''دستنبو'' کی ایک اہم خصوصیت غالب کا مخصوص طرزِ نگارش ہے جسے ترجمے میں قائم رکھنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ یہ ترجمہ مخمور سعیدی نے کیا ہے۔

تعمیل جانیں۔ جب ہم نے جان لیا کہ تیغ و نگیں اور تاج و تخت کس کی ودیعت ہیں، پھر سرکشی اور بیزاری کس لیے؟ زمزمہ سنج شیراز کے قربان، کہ اس پردے میں کیسی خرد آموز نوا بلند کی ہے۔1

غلام کیا کرے اگر (آقا کے) حکم پر گردن نہ جھکائے گیند کیا
کرے، اگر خود کو بلّے کے حوالے نہ کر دے۔

22/مارچ سے مجھ دیوانے کے دل میں یہ خلش ہے کہ دنیا فروردین کا مہینہ اور نوروز کا دن بھی رکھتی تھی اور وہ جہاں افروز دن انھیں دنوں کے امروز و فردا میں رونما ہوتا تھا۔ اس سال شاید یہ شہر، شہر خاموشاں ہے کہ بہار کی آمد آمد پر (کسی طرف سے) ہم کلبانگ مسرت نہیں سنتے۔ کوئی نہیں کہتا کہ یہ سال ترکوں کے "سالہائے دوازدہ گانہ" میں سے کون سا سال ہے اور اس سلسلۂ روز و شب میں، دن کے برابر ہونے کا وقت کیا ہے۔ اگر رصدگاہوں کے کوکب شناس مر گئے ہیں اور دن کے بادشاہ (سورج) کے سفر کا روزنامچہ اندراجات سے خالی رہ گیا ہے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ کچھ دروغ گو کم ہوئے اور کچھ جھوٹی باتیں سننے سے رہ گئیں۔ آفتاب برج حمل میں قیام کو بھولا نہیں ہے کہ سبزہ نہ اُگے اور پھول نہ کھلیں۔ ہاں نظامِ قدرت کبھی نہیں بدلتا اور آسمان اس مقررہ گردش کے سوا، جو اس کے لیے مخصوص ہے، کوئی دوسری راہ اختیار نہیں کرتا۔ میں خود پر آنسو بہاتا ہوں باغ پر نہیں اور مجھے مقدر سے گلہ ہے، بہار سے نہیں۔

دنیا لالہ و گل کے رنگ و نکہت سے معمور ہے اور میں ہوں،
گوشۂ (تنہائی) ہے اور (مجبوری کے بھاری) پتھر کے نیچے دبا
ہوا دامن۔

بہار کا موسم ہے اور میں بے نوائی کا مارا، بے برگ و باری کے
عالم میں، گھر کا دروازہ بند کیے پڑا ہوں۔

میں روتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ زمانہ (کیسا) بے پروا ہے۔ اگر میں کہ ایک گوشۂ اندوہ میں، دیوار کی جانب منہ کیے پڑا ہوں، سبزہ و گل نہ دیکھ سکوں اور مشامِ جاں کو نکہتِ گل سے معطر نہ کر سکوں تو بہار کی رونق میں کیا کمی آئے گی اور صبا سے کون تاوان طلب کرے گا۔ اپریل کے مہینے میں، جس میں دو ثلث ماہ فروردین کے اور ایک ثلث ماہِ اردی بہشت کا ہے، حکیم محمود خاں کے ساتھ گرفتار ہونے والوں میں سے جو لوگ حوالات میں رہ گئے تھے، قید سے رہا ہو کر دامِ (ابتلا) سے باہر نکل آئے۔ ہر شخص نے اپنی راہ لی اور وہ نازپروردہ سرورِ روشن دماغ اہل و عیال اور دوسرے متعلقین کے ساتھ پٹیالے کی طرف روانہ ہو گیا۔ کہتے ہیں ابھی تک وہ کرنال میں دن بسر کر رہے ہیں، بعد کے لیے خدا جانے کیا سوچا ہے۔ مئی کے اوائل میں کانوں کو یہ سننے کا شرف حاصل ہوا کہ سیاہ کینہ خواہ کے دلیروں نے مراد آباد کو، جو بداندیشوں کی گزرگاہ تھا، معرکہ آرا ہو کر فتح کر لیا ہے اور شہر، بحالیِ امنی و انصاف کے لیے، سرچشمۂ دانش خداداد، فرخ نژاد نواب یوسف علی خاں بہادر کے اختیار میں دے دیا گیا ہے۔ اب وہ سزاوار جہانگیری اور درخورِ جہانداری، اس سرزمین پر، بہ طور تکمیلِ حکم، حکمراں ہے (اور) امید ہے کہ سدا حکمراں رہے۔ مزید برآں بیان کرتے ہیں کہ کوہ شگاف، اژدر شکار لشکر کی طغیانی نے اس رودبار میں ہلچل ڈالنے کے بعد، بریلی کے ہرزہ ستیز تردامنوں کو بھی خس و خاشاک کے مانند، باہر نکال پھینکا۔ جب ایسا ہے تو بہت جلد ان سخت جانوں کا بھی، جو سنگلاخ علاقوں میں رہ گئے ہیں اور جابجا شہر اور گاؤں کے لوگوں کو چین سے نہیں چھوڑتے اور راہ چلتے، راہگیروں کو بھی ستاتے ہیں، زمانہ ختم ہو گا اور سارا ملک منصف حاکموں کے پرچم کے سائے میں آ جائے گا۔ 13/جون کو، اتوار کے روز، دن ڈوبنے کے قریب، حاکم شہر نے، بہادر جنگ خاں کو، جو قلعے میں قیدیوں کی طرح رہتے ہیں، پاس بلایا۔ امیدوارانہ دوڑے، جاں بخشی کی خوش خبری اور ایک ہزار روپیہ ماہانہ کا وظیفہ مقرر کیے جانے کی نوید سے، شاد کیا گیا اور حکم ہوا کہ لاہور کی طرف چلے جائیں اور اس شہر میں مستقل سکونت اختیار کر لیں۔ اس کے بعد زندگی آزادانہ بسر ہو گی۔ بے شک ان حالات میں انسب یہی ہے کہ وہ جھوٹے جاہ و جلال کی قید تاسف سے آزاد اور اس آزادانہ زندگی پر خوشنود و دلشاد ہوں۔ 22/جون کو منگل کے دن، جو مریخ کا دن ہے، ابھی اس تارے کے اثر و نفوذ کی گھڑیاں نہیں گزری تھیں اور دن کا بادشاہ (سورج) جس کا تاج ہر روز نیزے پر گھمایا جاتا ہے، مشرق سے بقدر یک نیزہ بلند نہیں ہوا تھا کہ آسمان غریو توپ کی، ماہ جون کے گزرے ہوئے (اکیس) دنوں کی تعداد کے برابر، پُرخروش آوازوں نے، دوستوں کے دل فرطِ انبساط و شادمانی سے، سینوں میں اچھال دیے اور آگ سے زیادہ گرم، جلتی ہوئی راکھ دشمنوں کے سر اور منہ پر ڈال دی۔ شہر گوالیار کی فتح اور اس سنگین قلعے پر، جو زمین کا جگر گوشہ اور کوہسار کے دل کا ٹکڑا ہے، قبضے کی نوید، کیونکہ بارگاہِ ایزدی سے سرکشوں کی موت کا پروانہ لے کر آئی، لہٰذا اس نے فرماں رواؤں اور فرماں برداروں کو بھی، آرزوؤں کے چراغ جل اٹھنے کی بشارت دی۔ یہ سرگزشت اس طرح ہے کہ باغیوں نے گوالیار پر قبضہ کر لیا۔ شہر کے فرماں روا مہاراجہ جیاجی راؤ شہر اور حکومت چھوڑ کر آگرے چلے گئے، انگریز حاکموں سے کمک چاہی اور ایک بڑی امدادی فوج لے کر وطن کی طرف یلغار کی، یہاں تک کہ ظفریابی نصیب ہوئی۔ گویا سارے آثار یہ بتاتے ہیں کہ اطراف و جوانب کے ان گمراہوں کا انجام، جو بھاگم بھاگ میں ہر طرف سے آ کر گوالیار میں جمع ہوئے اور یہاں ایسی کھلی شکست کھائی، بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اب چند دن خستہ و خوار، رہزنی اور رہرو آزادی کرتے، ادھر اُدھر زمین ناپتے پھریں اور آخر کار جابجا ذلت و خواری کے ساتھ ہلاک کر دیے جائیں۔ ان کے صحرا نورد گھوڑے، بے گیاہ بیابانوں میں زمین پر سینہ رگڑتے، دم توڑتے نظر آئیں گے اور ان کا ساز و سامان، پانی

کے نالوں میں، کیچڑ میں لتھڑا پڑا ملے گا۔ پھر ہندستان خار و خس سے اس طرح پاک ہو جائے گا کہ جنگل کا کونہ کونہ سرسبزی و شادابی میں باغ کا خاکہ اور ہر گلی کوچہ رونق و آبادی میں بازار کا نمونہ ہوگا۔ راقم الحروف کی زندگی کے تریسٹھ سال گزر چکے ہیں اور لاحقہ گوناگوں جانگدازیاں ظاہر کرتی ہیں کہ اب زمانے سے زیادہ فرصتِ (عمر) کی توقع بے جا ہوگی، ناچار جادو نوائے شیراز کی آواز دلنواز، کہ میری طرف سے اس کی تابندہ روح پر درود ہو، یاد کرتا ہوں اور جس طرح ایک ماتم زدہ دوسرے ماتم زدہ سے تسکین حاصل کرتا ہے، میں اس زمزمے کی بدولت اگرچہ خود کو دلشاد نہیں کہہ سکتا لیکن ایک بار قیدِ غم سے آزاد ضرور ہو جاتا ہوں۔

افسوس کہ ہمارے بعد دنیا میں بہت بہاریں آئیں گی اور
پھول کھلیں گے۔
کتنے ہی تیر، دے اور اردی بہشت کے مہینے آئیں گے جب
ہم خاک و خشت ہو چکے ہوں گے۔

(جاری)

اصولِ تعلیم اور عملِ تعلیم

مصنف: ڈی ایس گورڈن۔ مترجم: ڈاکٹر سیفی پریمی

یہ کتاب زیرِ تربیت اساتذہ اور ان اساتذہ کے لیے ہے جو نظری اور عملی تعلیم کی جدید ترین ترقیات سے باخبر رہنا چاہتے ہیں۔ کتاب بہ طور خاص ہندستانی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔

دوسرا ایڈیشن، ڈیمائی، 336 صفحات، قیمت 69 روپے

پوشکن

مصنف: ظ انصاری

عالمگیر شہرت کے روسی شاعر الیکساندر سرگئی وچ پوشکن کی زندگی اور فن کا سیر حاصل مطالعہ جو براہِ راست روسی مآخذ کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے۔ کتاب میں پوشکن کی بعض مشہور نظموں کے منظوم تراجم بھی شامل ہیں اور پوشکن کے اہم معاصرین کے مختصر کوائف بھی۔

دوسرا ایڈیشن، ڈیمائی، 232 صفحات، قیمت 60 روپے

تحریکِ خلافت

مصنف: قاضی محمد عدیل عباسی

ہندستان میں چلائی جانے والی تحریکِ خلافت نے بالواسطہ طور پر ہماری تحریکِ آزادی کو بھی ایک نئی قوت عطا کی تھی۔ اس کتاب میں مصنف نے جو اس تحریک میں شریک تھے، تحریکِ خلافت کے تمام پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

دوسرا ایڈیشن، ڈیمائی، 219 صفحات، قیمت 65 روپے

تالستائے

مصنف: ڈاکٹر محمد یٰسین

تالستائے کی تصانیف ہمیں خواب و خیال کی دنیا سے حقیقت کی طرف لے جاتی ہیں۔ اس کے یہاں حیات و کائنات کا عرفان بھی ہے اور عام انسانی جذبات و احساسات کی عکاسی بھی۔ اس کتاب میں تالستائے کے سوانحی گوشوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کے فنی کارناموں پر بھی۔

دوسرا ایڈیشن، ڈیمائی، 152 صفحات، قیمت 46 روپے

بابر نامہ

تلخیص کار اور مترجم: ڈاکٹر محمد قاسم صدیقی

''تزکِ بابری'' کی تلخیص اور آسان اردو میں ترجمہ۔ یہ تلخیص ان حصوں پر مشتمل ہے جن میں بابر نے بہ طور خاص ہندستان کے رسم و رواج، یہاں کے موسموں، یہاں کی آب و ہوا یہاں کے پھلوں اور پھولوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب بچوں کے لیے خصوصی دلچسپی کی حامل ہے۔

دوسرا ایڈیشن، ڈیمائی، 101 صفحات، قیمت 15 روپے

برنارڈ شا

مصنف: عبد المغنی

جارج برنارڈ شا ایک روشن خیال اور انسان دوست ادیب اور مفکر تھا جو نسل یا قومیت کی حدبندیوں سے نکل کر پورے عالمِ انسانیت کی بہتری کا خواہاں تھا۔ اس کتاب میں برنارڈ شا کے شخصی اور ادبی اوصاف تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

دوسرا ایڈیشن، ڈیمائی، 96 صفحات، قیمت 35 روپے

اردو انسائیکلوپیڈیا جلد اوّل سے اقتباس

برقی اور الکٹرانکس انجینئری

ابتدائی دور میں برقی اور الکٹرانک انجینئری صرف برقی طاقت، روشنی، ٹیلی فون اور ٹیلی گراف پر مشتمل تھی، لیکن اب وہ اتنی وسیع ہوگئی ہے کہ اس میں ریڈیائی ترسیل، ہندسی حساب کار (Digital Computation) مشینوں اور ان کے نظام کا خودکار کنٹرول (Control) اور ان آلات کو جو راڈار (Radar)، سونار (Sonar)، لوران (Loran) اور شوران (Shoran) سے لیس ہوتے ہیں، فضا میں چلانا، لیزر (Laser) کی پیمائش وغیرہ بھی شامل ہوگئے ہیں۔ جس چیز سے اس میدان میں بکثرت سابقہ پڑتا ہے وہ اندرونی طور پر کام کرنے کے بڑے نظاموں کا تجربہ ہے جو ٹرانسپورٹ سے لے کر حیاتیات (Biological)، ماحولیات (Ecological) اور معاشیات پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ سب برقی انجینئری سے مربوط ہیں اس لیے کہ ان سب کو حل کرنے کے لیے مماثل حسابی طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔

اس پیشے کی تاریخ

سترھویں صدی ہی میں یوروپی دانشوروں کی توجہ برقی مشاہدوں کی طرف مبذول ہوئی تھی مگر ابتدا میں یہ سائنس نظری رہی۔ قابلِ ذکر سائنس داں جنھوں نے اس فن کی بنیاد رکھی ہے ان میں لنڈوگ ولیم گلبرٹ اور جرمن نژاد سائمین اوم (Simon Ohm)، ڈنمارک کے ہانس کرسچین اوورسٹد، فرانس کے انڈری ماری ایمپیر، اٹلی کے وولٹا، امریکہ کے جوزف ہنری اور انگلستان کے مائکل فیراڈے شامل ہیں۔ برقی انجینئری بطور ایک مستقل مضمون کے 1864 میں اس وقت ابھری جبکہ اسکاٹ لینڈ کے سائنس اور حساب داں جیمس کلارک میکسول نے برقی قوانین کو ریاضیاتی شکل دی اور خیال ظاہر کیا کہ برق مقناطیسی توانائی کی منتقلی اشعاع کی ایک شکل میں واقع ہوتی ہے، جس کو بعد میں ریڈیائی موجود کا نام دیا گیا۔ 1887 میں ہنرک ہرٹز نے اپنے تجربہ خانہ، واقع مشرقی جرمنی میں ریڈیائی موجوں کے وجود کو بتلایا۔

ٹیلی گراف (تار برقی) برق کا پہلا عملی استعمال تھا جس کو 1837 میں سیاموئل مورس (Morse) نے ایجاد کیا تھا۔ اس کے بعد بھی چالیس سال تک برقی انجینئروں کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ لیکن جب گراہم بل نے 1876 میں ٹیلی فون اور 1878 میں تھامس ایڈیسن نے برقی لیمپ ایجاد کیا اور 1882 میں نیویارک میں مرکزی پیداکاری پلانٹ (Central Generating Plant) قائم ہوا تو اس کے ساتھ ہی ان شعبوں میں کام کرنے کے لیے بہت سے تربیت یافتہ اشخاص کی ضرورت محسوس ہوئی۔

بیسویں صدی کی ابتدا میں یہ نیا شعبہ عوام کے لیے جاذب نظر بنا ایڈیسن نے "اڈیسن اثر" (Edison Effect) دریافت کیا جو ایک خلائی (Vacuum) لیمپ میں برقی رو کا گزرنا تھا۔ یہ فضا میں برقی رو کی موجودگی کا پہلا مشاہدہ تھا۔

1895 میں ندرلینڈ کے ہندرک آنٹن لورنز نے برقی بھرن (Charge) کے نظریہ الکٹران کی پیش قیاسی کی تھی۔ اس کے دو سال بعد انگلستان کے سر جے۔ جے تھامسن نے بتلایا کہ اڈیسن اثر دراصل منفی طور پر بار آئے ہوئے ذرات یعنی (Electron) کا نتیجہ ہے۔ اس سے اٹلی کے گگلیمو مارکونی (Gugliemo Marconi)، امریکہ کے لی۔ ڈی فراسٹ (Lee De Frost) اور دوسرے سائنس دانوں کی رہبری ہوئی جنھوں نے الکٹرانکس انجینئری کی بنیاد قائم کی۔

برقی اور الکٹرانکس انجینئری کی تعلیم کے دائرۂ عمل ریسرچ

1871 میں انگلستان کی کیمبرج یونی ورسٹی میں کیونڈش (Cavandish) نام کی پروفیسری عملی طبیعات میں ریسرچ کے لیے قائم کی گئی اور اس غرض کے لیے کیونڈش تجربہ خانہ بنایا گیا جس نے بیسویں صدی میں بڑی ترقی کی۔ جیمس کلارک میکسول جیسے نامور ریاضی داں اور سائنس داں کو اس کا پہلا پروفیسر بنایا گیا۔ امریکہ کی یونی ورسٹیوں اور صنعتی اداروں میں ریسرچ اور صنعتی تحقیقات کے لیے انتظامات کیے گئے جس سے کافی ترقی ہوئی، مثلاً لیمپ کے متعدد ٹنگسٹن (Duet Tungston)، ریڈیو کی نلیاں اور دیگر آلات، طویل مسافتی ٹیلی فون، بڑی وولٹیج سے برقی طاقت (Power) کی ترسیل، ٹیلی ویژن، ٹرانسسٹر اور مصنوعی سیارے (Satellite) کے ذریعے رسل و رسائل وغیرہ اسی تنظیم سے حاصل

● قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے اردو انسائیکلو پیڈیا کی تین جلدیں شائع کی ہیں جن میں کلیدی مضامین شامل ہیں۔ ان کے علاوہ مختصر نوشتوں کی نو جلدیں شائع ہوگئی ہیں۔ مزید جلدیں پریس میں ہیں۔ پہلی جلد 300 روپے قیمت کی ہے۔ باقی نو کی قیمت 450 روپے فی جلد ہے۔ ان صفحات میں پیش ہے انسائیکلوپیڈیا جلد اوّل سے اقتباس۔

ہوئے۔ مختلف قسم کے تربیت یافتہ انجینئروں کو عمدہ آلات واوزار سے لیس تجربہ خانوں میں مامور رکھنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ انھوں نے موجودوں کے لیے ایسی ایسی معلومات فراہم کیں جو کسی ایک شخص کے لیے انفرادی طور پر حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔

یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ 1970 میں برقی اور الکٹرانکس پیشے سے وابستہ انجینئروں کی تقریباً آدھی تعداد ریسرچ اور ترقیاتی اسکیموں میں معروف رہی ہے۔ ایسے کاموں میں حصہ لینے کے لیے مروجہ انجینئری ڈگری کورس سے کافی آگے مطالعے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ترقیات

ریسرچ کے نتائج کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ترقیاتی اور ڈیزائن کے انجینئر ہوتے ہیں جن کا کام یہ ہے کہ تجربہ خانوں میں بنائے ہوئے آلات اور اوزار کو عملی اغراض کے لیے مکمل کر کے بازار میں ان کی نکاسی کریں، ان آلات و اوزار کو بڑے پیمانے پر تیار کرنے کے لیے خودکار مشینوں کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے ڈیزائن انجینئروں کو عملی تجربے کے علاوہ نظری تعلیم میں بھی کافی مہارت حاصل کرنی پڑتی ہے۔

دوسرے فرائض

برقی انجینئری میں فن دانوں کو عملی طور پر تیار کیا جاتا ہے۔ ان کے فرائض میں یہ بات شامل ہوتی ہے کہ وہ نہ صرف اشیا کی پیداوار کی عمدگی پر نگرانی رکھیں بلکہ پیداواری طریقے کو اور زیادہ موثر بنائیں وہ اشیا کی پیداوار کی ذمے دار ٹیم کے ساتھ مل کر کام کریں، حسب ضرورت اس میں ایسی تبدیلی لائیں کہ اس سے خاص ضروریات کی تکمیل ہو سکے۔

جو انجینئر یا فن داں اپنی قابلیت اور اہلیت کا ثبوت دیتے ہیں انتظامیہ میں ان کو اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ برقی پیدائش اور اس کی تقسیم کے ماہر انجینئروں سے میونسپل کارپوریشن اور بعض سرکاری و نیم سرکاری ادارے معقول معاوضے پر مشاورت حاصل کیا کرتے ہیں۔

برقی اور الکٹرانکس انجینئری کی ذیلی تقسیم

بنیادی ریسرچ کے نتیجے میں برقی اور الکٹرانکس انجینئری میں مسلسل توسیع ہوتی رہی ہے، ایڈیسن کی سیدھی سادی راست رو (ڈائرکٹ کرنٹ یا ڈی۔ سی) کی پیداوار اور اس کی تقسیم سے قبل اس میدان میں انجینئری وجود میں نہ آئی تھی، متبادل رو (آلٹرنیٹنگ کرنٹ یا اے سی) کا طریقہ نسبتاً سستا بھی ہے اور صنعت کے لیے فائدہ مند بھی لیکن اس وقت کچھ پیچیدہ سا تھا۔

1920 تک ڈی سی اور اے سی کی برقی انجینئری میں مسلسل ترقی ہوتی رہی۔ اس کے بعد ریڈیائی نشریات کا آغاز ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اعلیٰ تعداد (High Frequency) کی ریڈیائی ترسیلات بھی شروع ہوئیں۔ انجینئروں نے معلومات میں اضافے کے ساتھ خلائی نلی (Vacuum Tube) کے راز معلوم کر لیے۔ دوسری جنگ عظیم سے پہلے ٹیلی ویژن بازار میں آگیا اور دوسری مناظری الکٹران (Electron Optical) کے آلات مثلاً تلاش کرنے والی کیمرہ ٹیوب اور کائینا سکوپ (Kina Scope) استعمال میں آنے، اس لیے مزید معلومات اور فن میں اضافے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔

دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں انجینئروں نے اور بھی زیادہ تعداد (Frequency) سے کام لیا مثلاً راڈار (Radar) اور مائکروویو ریڈیو (خرد موجی ریڈیو)۔ کھوج لگانے کے دوسرے خفیہ طریقوں میں بھی برابر ترقی ہونے لگی مثلاً سونار (Sonar) زیر آب موجوں کی دریافت کے لیے جس کی سرحد آواز کی موجوں سے ملتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ برقی انجینئر آواز (Sound) کا بھی ماہر بن گیا، زیریں سرخ (Infra Red) روشنی رات میں بھی آنکھ سے نظر نہ آنے والے اجرام کو منور کرنے کے لیے استعمال کی جانے لگی۔ اس کے علاوہ لوران اور شوران ذرائع کو بھی ترقی دی گئی جس سے نزدیک اور دور کی جہاز رانی میں کام لیا جاتا ہے۔

1948 میں ٹرانسسٹر کی ایجاد نے ایک تہلکہ مچا دیا اور انقلاب برپا کیا۔ اس ایجاد نے 1970ء میں ایک متحدہ دور (Integrated Circuit) یا مائکرو دور (Micro Circuit) کو جنم دیا جس میں ٹرانسسٹر مزاحمی (Resistance) کپیسٹرز (Capaciters) اور واصل (Connectors) کو نہایت مہین سلی کان (Silicon) کے ٹکڑوں پر جو ایک مربع ملی میٹر سے بھی چھوٹے ہوتے ہیں، دھاتوں کو پگھلا کر یا ان کے بخارات کو ان پر جماتے ہیں۔ اس طرح پورا دور متحد ہو کر ایک اکائی بن جاتا ہے جو صرف خوردبین سے دکھائی دیتا ہے۔

1950ء میں الکٹرانک ڈیجیٹل کمپیوٹر (Digital Computor) کی ترقی یافتہ قسم نے ٹیلی گراف کے آن۔ آف (On-Off) کے مقررہ اشاروں کا احیا کر کے ان کو نئے طریقے سے استعمال کیا۔ کمپیوٹر چھوٹے برقی دور کے ذریعے "اور" "یا" "نہیں" کی عملیات کو مروجہ منطقی طریقہ پر کرتا ہے۔ سائنسی تخمینوں اور بزنس (کاروبار) کے طریقۂ کار کے علاوہ کمپیوٹر کے عناصر (Elements) اور افعال (Functions) جہاز رانی کے آلات مثلاً فاصلہ پیما اور ہوائی راستوں کو متعین کرنے اور آبدوزوں (Submarine) اور خلائی جہازوں کو ہدایات دینے کے کام میں آتے ہیں۔

کمپیوٹر کی مدد سے کسی قسم کا پیچیدہ دور (Circuit) بنا سکنے کی وجہ سے اب برقی انجینئر نے بجائے اس کے کہ انفرادی اجزاء (Components) کا مطالعہ کریں، اپنی توجہ پورے نظام کی موثر کارکردگی پر مبذول کرنا شروع کر دیا ہے۔

طاقتی نظام (Power System) کئی جو عصری صنعت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کا کام دیتا ہے، اہمیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ پاور انجینئر (Power Engineer) عصر حاضر کے بڑے بڑے شہری علاقوں کے لیے اسکیم تیار کرتے ہیں۔ ان کو اس سلسلے میں درپیش آنے والے مختلف قسم کے سماجی اور ماحولیاتی مسائل کو ذہن میں رکھنا پڑتا ہے۔

برقی اور الکٹرانکس انجینئری کی تعلیم

چند یونی ورسٹیوں میں برقی انجینئری کی تعلیم 1882 میں برقی روشنی اور برقی طاقت (Power) کے پیدا کیے جانے کے ساتھ ہی شروع ہو گئی۔ 1890 تک تو ساری دنیا کے مدارس میں برقی تعلیم کا آغاز ہو گیا اور ابتداً میں اس مضمون کو میکانیکل انجینئری کے تحت اختیاری طور پر رکھا گیا۔ لیکن برقی انجینئری کے مستقل تعلیمی شعبوں کا اس صدی کے ساتھ آغاز ہو گیا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں آج برقی انجینئری کے کوئی 190 شعبہ جات ہیں۔ انگلستان میں برقی انجینئری کی باقاعدہ تعلیم شعبۂ طبیعیات کے ساتھ شروع ہوئی، جرمنی میں طاقت اور الکٹرانکس کے لحاظ سے اس میدان کو علی الترتیب دو حصوں میں تقسیم کیا گیا یعنی بھاری رو (Heavy Current) اور ہلکی رو (Light Current)۔ بعض مدارس نے تو ان کے لیے علاحدہ شعبے ہی قائم کر لیے۔ ہندستان اور جاپان میں بھی یہی عمل ہوا۔ امریکہ میں بعض ماہرین تعلیم نے یہ محسوس کیا کہ ان دونوں شعبوں میں بھی برقی سائنس کے بنیادی پس منظر کی ضرورت ہے اور کسی صنعتی ادارے میں داخل ہونے کے لیے اس کی عملی تعلیم حاصل کرنا چاہیے۔ امریکہ میں ان دونوں شعبوں کو عموماً ایک دوسرے سے علاحدہ نہیں کیا گیا۔ وہاں کے مدارس نظریۂ برق کی بنیاد پر ہی برقی تعلیم دیتے ہیں۔ البتہ اس میں اچھی خاصی ریاضی شامل کی جاتی ہے۔ خصوصی تربیت گریجویشن کے بعد شروع کی جاتی ہے یا انجینئروں کو بالعموم ادارے جو کام سپرد کرتے ہیں وہ حسب ذیل بنیادی دائرہ عمل میں ہوتے ہیں:

نظریۂ دور (Circuit Theory)، الکٹرانک دور، ٹرانسسٹر دور، نیم موصلوں (Semi Conductors) کے نظریے، برقی مقناطیسی میدان (Electro Magnatic Field) کا نظریۂ ترسیلات یا اطلاعات (Communication or Information) کا نظریہ اور خودکار کنٹرول (Automatic Control)۔ اس بنیادی فنی ڈھانچے کو مضبوطی سے کھڑا کرنے کے لیے ریاضی کا وسیع مطالعہ، معاشیات کا علم، تنظیمی اور سماجی سائنس اور بشریت (Humanities) سے واقفیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ امر یقینی ہے کہ آئندہ برقی اور الکٹرانکس کے مطالعے کے لیے ریاضی اور طبیعیات کے پس منظر پر زور دیا جاتا رہے گا۔ دور (Circuit) اور سسٹم ڈزائن (System Design) میں کمپیوٹر کا استعمال بڑھتا ہی جائے گا۔ ڈگری تعلیم پانے والوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوتا رہے گا۔ مہارت کو کافی اہمیت حاصل ہوا کرے گی۔

عصری برقی ادارے گریجویٹوں کو ملازمت دینے کے بعد فنی یا تنظیمی تعلیم جاری رکھنے کے لیے بالعموم جزوی یا کلی طور پر رقمی امداد دیتے ہیں۔

ٹیکنکل انسٹی ٹیوٹ (فنی ادارے) میں جو تعلیم دی جاتی ہے اس کی تکمیل پر سند حاصل ہوتی ہے۔ یہ پروگرام برخلاف یونی ورسٹیوں کے پروگراموں کے براہ راست آلات کے عملی طور پر استعمال کرنے سے متعلق ہوتے ہیں۔ نیز ان میں بالعموم ریاضی بھی کرنی پڑتی ہے۔ ایسے سند یافتہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ترقیاتی، ڈزائن اور آزمائش (Test) کرنے اور آلات کی تنصیب کرنے والے انجینئروں کی مدد کرتے ہیں۔ وہ انجینئر اور فن کار پردازوں کے درمیان ایک واسطے کا کام دیتے ہیں۔ ان کو یا تو پیداوار کی نگرانی کے لیے مامور کیا جاتا ہے یا نکاسی کے انتظام پر۔

فنی انتظامیہ

شروع شروع میں انگلستان میں برقی صنعت کے کاروبار نے 1871 میں انسٹی ٹیوشن آف الکٹریکل انجینئرس (IEE) کو جنم دیا۔ اس کی پیروی میں 1884 میں امریکہ نے امریکن انسٹی ٹیوٹ آف الکٹریکل انجینئرس (AIEE) کی بنیاد رکھی۔ اس نے اپنے لکچروں اور مطبوعات کے ذریعے برقی طاقت، روشنی اور ٹیلی فون کے تعلق سے فنی معلومات عوام تک پہنچانے کی ذمے داری لی۔ نیویارک میں لاسلکی (Wireless) کے کام کرنے والوں اور انجینئروں نے انسٹی ٹیوٹ آف ریڈیو انجینئرز (IRE) کو 1912 میں قائم کیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران اور اس کے بعد الکٹرانکس کے میدان میں جو وسعت ہوئی اس سے IRE کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوئی۔

برقی انجینئری کے شعبے ریڈیو اور الکٹرانکس کے شعبوں کے ساتھ صنعتی اداروں، فوج اور فضائیہ میں استعمال ہونے والے آلات و اوزار کو کنٹرول کرنے میں ایک دوسرے سے مل گئے۔ اس شعبے کے ماہروں نے ایک زمانے پہلے ہی اس کو محسوس کر لیا تھا کہ اگر ان سب کو ایک ہی انتظامیہ

کے تحت متحد کیا جائے تو کافی سہولت اور افادیت ہوگی۔ چنانچہ 1962 میں (AIEE) اور (IRE) کو ایک نئے نام انسٹی ٹیوٹ آف الکٹریکل اینڈ الکٹرانکس انجینئرس (IEEE) کے تحت مدغم کر دیا گیا اور اس کا صدر دفتر نیویارک شہر میں رکھا گیا۔ یہ ادارہ انجینئری اور اس سے ملحقہ سائنس کو ترقی دینے میں مدد دیتا ہے اور کثیر التعداد رسالے طبع اور شائع کرتا ہے۔

جاپان، آسٹریلیا اور ہندستان میں مزید ادارے ہیں جو برقی طاقت اور ٹیلی کمیونی کیشن میں کام کرنے والے افراد کو ضروری معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ یوروپ کے لیے قومی ادارے یہ فرائض انجام دیتے ہیں۔ روس میں اے۔ ایس۔ پاپوف ریڈیو انجینئرنگ سوسائٹی نے ماسکو میں غیر معمولی ترقی حاصل کی ہے۔ اس ادارے کو جو نام دیا گیا وہ مشہور روسی سائنس داں الکزینڈر اسپاپانووچ پاپوف (1859-1905) کے کارناموں کی یاد تازہ رکھنے کے لیے ہے۔ (IEEE) دنیا کے سارے فنی اداروں کے ساتھ اشتراک کرتی رہتی ہے۔

مستقبل

نیم موصل (Semi Conductor) کے میدان میں جو نئی نئی ترقیاں ہو رہی ہیں اس سے کمپیوٹر کی صنعت میں کافی وسعت ہونے کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔ مصنوعی سیاروں (Satellite) کے ذریعے کرۂ ارض پر رسل و رسائل میں آئے دن ترقی ہو رہی ہے اور برقی طاقت کے اضافے کے لیے مطالبے ہوتے رہتے ہیں۔ مستقبل میں نئے اور بہتر نظریوں کی مدد سے ان کے پیچیدہ مسائل کو حل کرتے رہنے کا عمل برابر جاری رہے گا۔

□□□

املا نامہ

اردو املا میں یکسانیت اور باقاعدگی

لانے کے لیے

ماہرین پر مشتمل کمیٹی کی سفارشات —

مرتب: پروفیسر گوپی چند نارنگ

(نظر ثانی اور اضافہ شدہ ایڈیشن)

صفحات: 120، قیمت: 9.00

اردو ادب کی تنقیدی تاریخ

سید احتشام حسین

اردو ادب کی تمام اصناف کا مختصر مگر جامع تعارف، تاریخی حوالوں کے ساتھ

طلبہ کے لیے بہ طور خاص کار آمد —

چوتھا ایڈیشن

صفحات 334، قیمت 70.00

شعریات

ارسطو کی بوطیقا کا ترجمہ اور تعارف

شمس الرحمٰن فاروقی کے قلم سے

ہر ادبی لائبریری میں اس کتاب کی موجودگی ضروری ہے

تیسرا ایڈیشن مع اضافہ جدیدہ

صفحات: 136، قیمت: 62.00

مولانا ابوالکلام آزاد ایک ہمہ گیر شخصیت

رشید الدین خاں

اس کتاب میں مولانا آزاد کی زندگی کے سوانحی گوشوں پر بہ طور خاص روشنی ڈالی گئی ہے۔

صفحات: 684، قیمت: 58.00

حیاتِ جاوید

الطاف حسین حالی

سر سید احمد خاں کے رفیق کار مولانا الطاف حسین حالی کے قلم سے سر سید احمد خاں کی زندگی کے حالات اور ان کی قومی اور مذہبی خدمات کا بیان —

چوتھا ایڈیشن

صفحات: 907، قیمت: 167

مولانا ابوالکلام آزاد شخصیت، سیاست، پیغام

رشید الدین خاں

مولانا آزاد کی ہمہ جہت شخصیت اور ان کے علمی اور عملی کارناموں کا مکمل تعارف —

دوسرا ایڈیشن

صفحات: 336، قیمت: 76.00

سلمان عابد

کیریئر گائیڈنس کالم

نیا تعلیمی سال — نئے داخلے

طالب علم کے لیے نیا سال نیا تعلیمی سال ہوتا ہے جو عام طور سے اپریل اور مئی سے شروع ہو جاتا ہے۔

اس بار اس کالم میں ہم نئے تعلیمی سال کی صحیح پلاننگ کے لیے مکمل معلومات فراہم کر رہے ہیں۔

1- آل انڈیا انجینئرنگ انٹرنس اگزامنیشن (AIEEE):

قومی سطح پر منعقد ہونے والا یہ اہم امتحان ہے جس کے ذریعے بی ای، بی ٹیک، بی آرک اور بی فارمیسی میں داخلے کیے جاتے ہیں۔ اس ٹسٹ میں کامیاب طلبہ ملک کی اہم یونی ورسٹیوں، اہم اداروں اور یونی ورسٹی میں داخلے حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ ٹسٹ مرکزی حکومت کے شعبہ ثانوی و اعلیٰ تعلیم، وزارت فروغ انسانی وسائل کے ادارے CBSE کی جانب سے منعقد کیا جاتا ہے۔ اس سال 19 / مئی 2002 کو یہ امتحان کل ہند پیمانے پر منعقد ہوگا۔

یہ امتحان 4 پرچوں پر مبنی ہوگا۔ پرچہ اول فزکس اور کیمسٹری کے 150 آبجکٹیو ٹائپ سوالات پر مبنی ہوگا۔ ہر سوال چار نمبر کا ہوگا۔ اس پرچے کے لیے ڈھائی گھنٹے کا وقت مختص ہوگا۔ پرچہ دوم میتھ میٹکس کے 75 آبجکٹیو سوالات پر مبنی ہوگا۔ ہر سوال کے چار نمبر اور وقت ایک گھنٹہ 15 منٹ دیا جاتا ہے۔ پرچہ سوم میں بائیولوجی کے 75 آبجکٹیو ٹائپ سوالات ہوتے ہیں جس میں مساوی حصہ باٹنی و زولوجی کا لیا جاتا ہے۔ ہر سوال کے لیے چار نمبر اور وقت ایک گھنٹہ 15 منٹ دیا جاتا ہے۔ آخری پرچہ چہارم دو حصوں پر مبنی رہے گا۔ پہلے حصے میں 50 آبجکٹیو ٹائپ سوالات ہوں گے جن میں ہر سوال کے لیے چار نمبر دیے جائیں گے۔ حصہ دوم میں Aptitude Test کے طور پر دو سوالات ڈرائنگ سے متعلق دیے جاتے ہیں۔ جس کے لیے 100 نمبر مقرر ہیں۔ اس پرچے کے لیے ڈیڑھ گھنٹہ دیا جاتا ہے۔

جو طلبہ انجینئرنگ، آرکیٹکچر اور فارمیسی کے ٹسٹ دے رہے ہیں، وہ اس لحاظ سے امتحان دیں گے۔

بی ای / بی ٹیک کے طلبہ	پرچہ اوّل اور دوم
بی فارم کے طلبہ	پرچہ اوّل اور دوم یا سوم
بی آرک کے طلبہ	پرچہ دوم اور پرچہ چہارم

یہ امتحان 19 / مئی کی صبح ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے شروع ہوگا۔ اور چاروں پرچے شام سوا پانچ بجے تک ختم ہو جائیں گے۔

اہلیت

انجینئرنگ کورس کے لیے:

اس امتحان کے ذریعے انجینئرنگ کورس میں داخلے کے خواہش مند طلبہ کو چاہیے کہ وہ 10+2 طرز میں سینئر سیکنڈری یا اس کے مماثل امتحان کم از کم 50 فیصد مارکس کے ساتھ فزکس، کیمسٹری اور میتھ میٹکس کے ساتھ کامیاب ہوں۔ جو 10+2 کے فائنل امتحان میں شرکت کر رہے ہیں وہ بھی یہ امتحان دے سکتے ہیں۔

آرکیٹکچر کورس کے لیے:

کم از کم 50 فی صد اگریگیٹ مارکس کے ساتھ ریاضی ایک مضمون کے 10+2 میں کامیابی۔

بیچلر آف فارمیسی کے لیے:

وہی اہلیت جو انجینئرنگ کے لیے مذکور ہوئی ہے۔

حدِ عمر:

وہی طلبہ اس امتحان میں شرکت کے اہل ہیں جو یکم اکتوبر 1977 یا اس کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ البتہ ایس سی / ایس ٹی اور جسمانی معذورین کے لیے 5 سال کی رعایت دی جائے گی۔ یعنی ایسے طلبہ بھی اہل ہیں جو یکم اکتوبر 1972 یا اس کے بعد پیدا ہوئے ہوں۔ تاریخ پیدائش وہی صحیح مانی جائے گی جو سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ / یونی ورسٹی کی سند میں درج ہوتی ہے۔

درخواست فارم:

یکم فروری 2002 سے درخواست فارم اور تمام تفصیلات پر مبنی کتابچہ 350 روپے قیمت کی نقد ادائیگی کے ساتھ کینرا بنک کی اہم شاخوں سے ملک بھر میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔

آخری تاریخ:

خانہ پُری کے بعد درخواست فارم CBSE کے دفتر موقوعہ نئی دہلی میں رجسٹرڈ / اسپیڈ پوسٹ کے ذریعے جمع کرنے کی آخری تاریخ

04-03-2002 مقرر کی گئی ہے۔

آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنس:

دہلی میں قائم یہ ادارہ ہندستان کا قومی ادارہ ہے جس میں داخلہ قومی سطح پر منعقد کیے جانے والے انٹرنس ٹسٹ کے ذریعے ہوگا۔ یہ ٹسٹ یکم جون 2002 کو ہوگا جبکہ کورس کا آغاز یکم اگست 2002 سے ہوگا۔ 60فیصد نمبروں سے جو طلبہ 2+10 میں کامیاب ہو چکے ہیں وہ اس کورس میں شرکت کے اہل ہیں۔ عمر 17 سال مکمل ہو۔ درخواست فارم اسٹیٹ بنک آف انڈیا کی اہم شاخوں سے 500روپے کی ادائیگی کر کے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ آخری تاریخ 18/ فروری 2002 مقرر ہے۔

بہار:

بہار میں فراہم ایم بی بی ایس، بی ڈی ایس، بی اے ایم ایس اور بی ایچ ایم ایس کورسس میں داخلے کے لیے بہار بورڈ آف ایگزامینیشن کمبائنڈ میڈیکل ایجوکیشن انٹرنس ٹسٹ (CMEET) منعقد کرتا ہے۔ ایم بی بی ایس کورس کی مدت ساڑھے پانچ سال ہے۔ یہ داخلے ایم بی بی ایس کی 580نشستوں کے لیے ہوں گے۔ بی ڈی ایس کورس کی مدت چار سال ہے اور یہ داخلے بی ڈی ایس کی پندرہ نشستوں کے لیے ہوں گے۔ وہ تمام ہندستانی شہری داخلے کے اہل ہیں جو بہار میں دس سال سے مقیم ہوں وہ بھی داخلے کے اہل ہیں۔ عمر اور تعلیمی قابلیت وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی ہے۔

پتا: ریاست کے کسی بھی میڈیکل کالج سے فارم حاصل کیا جاسکتا ہے۔

کرناٹک:

کرناٹک میں فراہم ایم بی بی ایس اور بی ڈی ایس کورسس میں داخلے کے لیے ریاستی سطح کا کامن انٹرنس ٹسٹ (KCET) منعقد کیا جاتا ہے۔ اسے Common Entrance Test Cell حکومت کرناٹک منعقد کرتا ہے۔

ایم بی بی ایس کورس کی مدت ساڑھے پانچ سال ہے اور بی ڈی ایس کورس کی مدت چار سال ہے۔ بی فارم اور بی ایس سی نرسنگ کی مدت چار سال ہوگی۔ کرناٹک اور دوسری ریاست کے وہ طلبہ داخلے کے اہل ہیں جو 50فیصد نمبروں کے ساتھ 2+10 کامیاب ہوں اور عمر 17 سال مکمل ہو۔ ایم بی بی ایس فیس فری سیٹ کے لیے اگر گورنمنٹ کالج ہو تو دو ہزار اور پرائیویٹ کالج ہو تو آٹھ ہزار روپے ہوگی۔ اسی طرح بی ڈی ایس کے لیے دو ہزار اور چھ ہزار روپے ہوگی۔ ایم بی بی ایس کی پے منٹ سیٹ کے لیے 1,10,000 اور بی ڈی ایس کے لیے 70ہزار روپے فیس ہوگی۔ NRIS/Foriegners کے لیے ایم بی بی ایس کی خاطر پچاس ہزار امریکی ڈالر اور بی ڈی ایس کے لیے تیس ہزار امریکی ڈالر مکمل کورس کے لیے فیس ہوگی جبکہ اوپر بیان کردہ دیگر تمام فیس سالانہ رہے گی۔

اطلاعیہ مارچ اپریل میں آئے گا۔ آخری تاریخ مئی ہوگی اور ٹسٹ مئی میں ہوگا۔ پتا:

CET CELL
SJM Samudaya Bhavan, 1, Main Road,
Gandhinagar, Bangalore-560009

پنجاب:

پنجاب اور چنڈی گڑھ میں فراہم ایم بی بی ایس، بی ڈی ایس اور بی اے ایم ایس کورسس کے لیے ریاست کی کوئی ایک یونی ورسٹی (PMT) Competitive Entrance Examination منعقد کرتی ہے۔ ایم بی بی ایس کورس کی مدت ساڑھے پانچ سال ہے۔ یہ داخلے ایم بی بی ایس کی تین سو پچاس نشستوں کے لیے ہوں گے اور بی ڈی ایس کورس کی مدت چار سال ہے۔ یہ داخلے بی ڈی ایس کی اسّی نشستوں کے لیے ہوں گے۔ سترہ سال عمر ہو، بارہ سالہ سینئر سیکنڈری امتحان کامیاب ہوں، انگلش، فزکس، بیالوجی اور کیمسٹری مضامین میں پچاس فی صد نشانات کے ساتھ کامیاب ہوں۔

اطلاعیہ اپریل میں آئے گا آخری تاریخ مئی رہے گی۔ ٹسٹ جون میں ہوگا اور انٹرویو جولائی میں ہوگا۔ پتا

The Assistant, Registrar, Entrance Cell,
Gurunanak Dev University, Amritsar

مغربی بنگال:

مغربی بنگال میں فراہم ایم بی بی ایس اور بی ڈی ایس کورسس میں داخلے کے لیے مغربی بنگال بورڈ آف ایگزامینیشن، جوائنٹ انٹرنس ایگزامینیشن (JEE) منعقد کرتا ہے۔ ایم بی بی ایس کورس کی مدت ساڑھے پانچ سال ہے۔ یہ داخلے ایم بی بی ایس کی 755نشستوں کے لیے ہوں گے۔ بی ڈی ایس کورس کی مدت چار سال ہے اور یہ داخلے بی ڈی ایس کی 70نشستوں کے لیے ہوں گے۔ تمام ہندستانی شہری داخلے کے اہل ہیں اور جو مغربی بنگال میں دس سال سے مقیم ہیں وہ بھی داخلے کے اہل ہیں۔ سترہ سال عمر ہو، بارہ سالہ ہائر سیکنڈری امتحان کامیاب ہوں یا اس کے مماثل، انگلش، فزکس، کیمسٹری اور بیالوجی مضامین میں پچاس فی صد نمبروں کے ساتھ کامیاب ہوں۔

اطلاعیہ نومبر / دسمبر میں آئے گا۔ آخری تاریخ دسمبر ہوگی۔ ٹسٹ اپریل میں ہوگا۔ پتا:

Central Selection Committee (Medical)
Medical College, Anatomy Building 33,
College Street, Kolkatta-700073

جموں و کشمیر:

ایم بی بی ایس اور بی ڈی ایس میں داخلے کے لیے انٹرنس امتحان منعقد کیا جاتا ہے۔ یہ داخلے ایم بی بی ایس کی 200 نشستوں اور بی ڈی ایس کی 20 نشستوں کے لیے ہوں گے۔ ایم بی بی ایس اور بی ڈی ایس کورس کی مدت یکساں یعنی ساڑھے پانچ سال ہے۔ جموں و کشمیر سے تعلق رکھنے والے ہی داخلے کے اہل رہیں گے۔ دیگر تحفظات کے علاوہ علاقائی تحفظات بھی مہیا ہوں گے۔ جیسے کارگل والوں کے لیے دو فیصد، خط قبضہ کے قرب وجوار کے لوگوں کے لیے تین فی صد تحفظات حاصل رہیں گے۔ سترہ سال عمر ہو، بارہ سالہ سینئر سیکنڈری امتحان کامیاب ہوں انگلش، فزکس، بیالوجی، اور بائیوکیمسٹری مضامین میں پچاس فی صد نشانات کے ساتھ کامیاب ہوں۔

اعلانیہ مئی میں آئے گا۔ آخری تاریخ جون رہے گی۔ ٹسٹ جولائی میں ہوگا۔ پتا:

Competent Autoority, Entrance Examination,
Residency Road, Polo-View, Srinagar-190001

مدھیہ پردیش:

ایم بی بی ایس، بی ڈی ایس، بی اے ایم ایس، بی ایچ ایم ایس کورسس میں داخلے کے لیے پروفیشنل اگزامینیشن بورڈ میری میڈیکل ٹسٹ (PreMT) منعقد کرتا ہے۔ ایم بی بی ایس کورس کی مدت ساڑھے پانچ سال ہوگی اور جملہ نشستیں 720 ہیں۔ جبکہ بی ڈی ایس کورس کی مدت ساڑھے چار سال ہے اور پچیس نشستیں فراہم ہیں۔ مدھیہ پردیش سے تعلق رکھنے والے اور کوئی بھی ہندستانی شہری داخلہ لے سکتے ہیں۔ عمر اور تعلیمی قابلیت وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی ہے۔

اعلانیہ فروری میں آئے گا۔ فارم داخل کرنے کی آخری تاریخ مارچ ہوگی۔ ٹسٹ مئی میں ہوگا۔ پتا:

Senior Controller,
Vyavasik Pareeksha Mandal (Professional Examination Board) M.P.,
Link Road No.-1,
Arera Hills, Chinar Park Extension,
Bhopal-462011

کیرلا:

کیرلا میں فراہم ایم بی بی ایس، بی ڈی ایس، بی فارم، بی ایس سی (MLT) اور بی ایس سی (نرسنگ) کورس میں داخلے کے لیے کیرلا بورڈ آف اگزامینیشن، کامن انٹرنس اگزامینیشن (CEE) منعقد کرتا ہے۔ ایم بی بی ایس کورس کی مدت ساڑھے پانچ سال ہے اور نشستیں آٹھ سو ہیں۔ بی ڈی ایس کورس کی مدت بھی ساڑھے پانچ سال ہے اور نشستیں اسی ہیں۔ بی فارما کورس کی مدت چار سال ہے اور اس کی نشستیں اٹھائیس ہیں۔ بی ایس سی (نرسنگ) چار سالہ کورس ہے اور اس کی نشستیں ایک سو پچاس ہیں بی ایس سی (MLT) تین سالہ کورس اور اس کی نشستیں چوبیس ہیں۔ کیرلا کی پیدائش رکھنے والے ہندستانی شہری داخلے کے اہل ہیں۔ عمر سترہ سال ہو، ریاست کیرلا کا پری ڈگری امتحان پچاس فی صد مارکس سے پاس ہوں۔ ٹیوشن فیس 1,750 اور پے منٹ سیٹ کے لیے 75,000 سالانہ فیس ہوگی۔ پتا:

Commissioner for Entrance Examination
Thiruvanantha Puram-695041

مہاراشٹرا:

ایم بی بی ایس، بی ڈی ایس اور بی فارم کورسس کے لیے ریاستی سطح کا ٹسٹ منعقد کیا جاتا ہے۔ یہ ٹسٹ اردو میں بھی دیا جاسکتا ہے۔ ایم بی بی ایس ساڑھے پانچ سال، بی ڈی ایس، پانچ سال اور بی فارم چار سال پر محیط ہوگا۔ سترہ سال عمر ہو اور پچاس فی صد نمبر سے 10+2 کامیاب ہوں۔ فیس ایم بی بی ایس فری سیٹ کے لیے =/6000 بی ڈی ایس کے لیے =/4000 روپے اور بی فارم کے لیے =/3000 روپے ہوگی جبکہ یہی پے منٹ سیٹ ہو تو ایم بی بی ایس کے لیے =/15000 روپے یا بی ڈی ایس کے لیے 70,000 روپے اور بی فارم کے لیے =/27,000 روپے سالانہ فیس ہوگی۔ غیر مقیم ہندستانی اور بیرونی ممالک کے شہریوں کے لیے فیس پے منٹ فیس سے پانچ گنا زیادہ لی جائے گی۔ اعلانیہ مئی میں آئے گا۔ آخری تاریخ جون ہوگی۔ پتے (1) (ایم بی بی ایس کے لیے)

The Director, Medical Education & Research,
C/o Dental College,
Sr. George Hospital Compund,
V.T. MUMBAI-400001

(2) بی ڈی ایس کے لیے

Dean, Nair Hospital Dental College,
Dr. A.L. Nair Road, MUMBAI-400008

(3) بی فارم کے لیے

Directorate of Technical Education
3, Mahapalika Marg, MUMBAI-400001

اترپردیش:

ایم بی بی ایس کی 782 اور بی ڈی ایس کی 51 نشستوں کے لیے کمبائنڈ پری میڈیکل ٹسٹ ریاست کی کوئی ایک یونیورسٹی منعقد کرتی ہے۔ ایم بی بی

ایس کی مدت ساڑھے پانچ سال اور بی ڈی ایس کی پانچ سال ہوگی۔ ہندستانی شہری اور اتر پردیش کے رہنے والے داخلے کے اہل ہیں۔ عمر سترہ سال ہو اور انٹرمیڈیٹ / بارہ سالہ سینئر سیکنڈری امتحان کامیاب ہوں۔ اعلانیہ مارچ / اپریل میں آئے گا۔ آخری تاریخ مئی / اپریل ہوگی۔ ٹسٹ جون میں ہوگا۔ پتا:

Convenor, University (Concerned)

تمل ناڈو:

ریاست تمل ناڈو کے ایم بی بی ایس، بی ڈی ایس، بی فارم، بی پی ٹی، بی ایس سی نرسنگ، بی ایس ایم ایس، بی اے ایم ایس اور بی ایچ ایم ایس کے لیے انا یونی ورسٹی مدراس کی جانب سے تمل ناڈو پروفیشنل کورسس انٹرنس ایگزامنیشن (TNPCEE) منعقد کیا جاتا ہے۔ تمام ہندستانی شہری اور ریاست میں رہنے والے داخلے کے اہل ہیں۔ تعلیمی قابلیت وہی جو اوپر مذکور ہوئی۔ ایم بی بی ایس ساڑھے پانچ سال بی ڈی ایس پانچ سال، بی فارم چار سال، بی ایس سی نرسنگ چار سال اور بی پی ٹی ساڑھے تین سال کو محیط ہوگا۔ فیس فری سیٹ ایم بی بی ایس کے لیے 8000/4000 بی ڈی ایس کے لیے 2000/5000 بی ایس سی نرسنگ کے لیے 1200/6000 بی پی ٹی کے لیے 1200/6000 روپیے سالانہ ہوگی۔ اگر یہی پے منٹ سیٹ ہو تو ایم بی بی ایس کے لیے سالانہ 1,10,000 روپے کا بی ڈی ایس کے لیے 70,000 روپے بی فارم کے لیے =/31,000 بی ایس سی نرسنگ اور بی پی ٹی کے لیے =/34,000 روپے ہوگی۔ اعلانیہ جنوری میں آئے گا۔ آخری تاریخ فروری ہوگی۔ ٹسٹ اپریل میں ہوگا۔ پتا:

Secretary
Tamil Nadu Professional Courses,
Entrance Examinations, Anna University,
Madras-600025

ہریانہ:

ایم بی بی ایس اور بی ڈی ایس انٹرنس امتحان مہارشی دیانند یونی ورسٹی منعقد کرتی ہے۔ ایم بی بی ایس کی مدت ساڑھے پانچ سال اور نشستوں کی تعداد 150 ہے جبکہ بی ڈی ایس کی مدت پانچ سال اور نشستیں ایک سو بیس فراہم ہیں۔ ریاست ہریانہ سے تعلق رکھنے والے صرف وہ طلبہ ہی داخلے کے اہل ہیں جنھوں نے دسویں گیارھویں اور بارہویں جماعت کی تعلیم ہریانہ میں حاصل کی ہو۔ عمر سترہ سال ہو اور انگلش، فزکس، کیمسٹری، بیالوجی مضامین پچاس فی صد نمبرات کے ساتھ کامیاب ہو۔ اعلانیہ اپریل / مئی میں آئے گا۔ آخری تاریخ مئی / جون ہوگی۔ ٹسٹ جون میں منعقد ہوگا۔ پتا:

Registrar,
Maharishi Dayanand University
ROHTAK-124001

□□□

161, SPI, C, CIB Quarters
Nehru Nagar, Kachiguda,
Hyderabad - 27 (A.P.)

"اردو دنیا" اور "فکر و تحقیق" کے سالانہ خریدار بنیں

"اردو دنیا" اردو کے حال اور مستقبل کا آئینہ ہے۔۔۔ خود بھی مطالعہ کریں اور اپنے احباب کو بھی اس کے مطالعے کی ترغیب دیں سالانہ قیمت سو روپے بذریعہ ڈرافٹ، منی آرڈر یا چیک
National Council for Promotion of Urdu Language, New Delhi
کے نام درج ذیل پتے پر روانہ کریں:
(دہلی سے باہر کے لوگ 110 روپے کا چیک بھیجیں)

ماضی کی علمی بازیافت اور حال کی علمی فتوحات سے واقفیت کے لیے **"فکر و تحقیق"** کا مطالعہ کریں۔ سالانہ قیمت 100 روپے بذریعہ ڈرافٹ، منی آرڈر یا چیک
National Council for Promotion of Urdu Language, New Delhi
کے نام درج ذیل پتے پر روانہ کریں:
(دہلی سے باہر کے لوگ 110 روپے کا چیک بھیجیں)

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066

عظیم صدیقی

مائکروسافٹ ورڈ

دستاویز کی تخلیق (Creating a Document)

- آپ جب بھی ایم. ایس. ورڈ (MS Word) کھولتے ہیں تو دریچے میں ایک نئی دستاویز Document-1 نام کی کھل جاتی ہے جس میں لوحِ سادہ کے شروع میں کرسر (Cursor) جھلملا رہا ہوتا ہے۔ آپ وہیں سے ٹائپ کرنا شروع کر سکتے ہیں۔

ٹائپ کرنے کی ہدایات (Typing Instructions)

- MS Word پر جب بھی آپ ٹائپ کرتے ہیں تو کرسر (Cursor) پر لفظ بائیں سے دائیں کی طرف ٹائپ ہوتے جاتے ہیں۔ جب داہنے طرف کی حد ختم ہو جاتی ہے تو کرسر خود بخود نچلی سطر میں بائیں طرف ملان پر چلا جاتا ہے۔ اس عمل کو خود استقرار (Type wrap) کہتے ہیں۔ ٹائپ رائٹر کی طرح لائن بدلنے کے لیے لیور کو دھکا نہیں دینا پڑتا۔
- جب دوسرا پیراگراف ٹائپ کرنا چاہیں تو Enter↵ دبائیں۔ کرسر نچلی سطر پر آجائے گا۔ یہاں سے آپ ٹائپ کرنا شروع کر سکتے ہیں۔ گرامر یا ہجے غلط ہونے پر لفظ کے نیچے سبز یا سرخ رنگ کا خطِ منحنی آجائے گا۔
- کرسر کو اس لفظ کے بیچ میں لا کر ماؤس کا دایاں بٹن دبایئے۔ فوراً ہی اس لفظ کے متعلق ایک سجھاؤ بکس (Suggestion Box) ظاہر ہوگا جس میں صحیح سجھاؤ کے ساتھ ساتھ دوسرے ممکنات بھی ہوں گے۔ آپ جس سجھاؤ پر کلک کریں گے وہی سجھاؤ اس لفظ کی جگہ آجائے گا اور وہ منحنی خط غائب ہو جائے گا۔
- کبھی کبھی سجھاؤ غلط بھی ہوتے ہیں (خاص طور پر ہندستانی ناموں کے لیے)۔ اس صورت میں اس بکس کے نیچے کی طرف (Ignore All) بھی لکھا رہتا ہے۔ یعنی درگذر کریں۔ آپ جب اس پر کلک کریں گے تو اصل ٹائپ کیا ہوا لفظ دہیں رہ جائے گا اور سجھاؤ بکس اور خطِ منحنی غائب ہو جائے گا۔
- کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو آپ کو بار بار ٹائپ کرنے پڑتے ہیں اور وہ بطورِ غلطی ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اس پریشانی سے بچنے کے لیے آپ ان الفاظ کا ایم. ایس. ورڈ کی لغت میں اضافہ (Add) کر سکتے ہیں۔ یہ اضافہ اسی سجھاؤ بکس میں Add پر کلک کر کے کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد وہ الفاظ کبھی بطورِ غلطی ظاہر نہیں ہوتے۔
- اگر آپ کہیں غلط ٹائپ کر گئے اور اس کو مٹانا چاہتے ہیں تو آپ اس لفظ کے آخر میں کرسر لا کر کلک کریں اس کے بعد Back Space دبائیں۔ حروف ایک ایک کر کے حذف (Delete) ہوتے جائیں گے تاوقتیکہ آپ اس پر سے اپنی انگلی نہ اٹھالیں۔ ایک حرف حذف (Delete) کرنے کے لیے ایک دفعہ بٹن دبانا کافی ہے۔ اگر آپ پورا جملہ حذف کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے اس جملہ کو منتخب (Select) کر کے Delete بٹن دبانا یا Enter دبانا بہتر ہوگا۔

جملہ منتخب کرنا (Selecting a Sentence)

- یوں تو منتخب کرنے کے کئی طریقے ہیں لیکن اس وقت آپ ماؤس کے ذریعے منتخب کر سکتے ہیں۔

- پیکان کو ماؤس کے ذریعے اس جملے کے شروع یا آخر میں لے آئیں پھر ماؤس کا بایاں بٹن دبا کر اس جملہ کی تکمیل کے طرف ماؤس کو گھسیٹ لیں۔ جب تک بٹن دبا رہے گا الفاظ منتخب ہوتے رہیں گے۔ جہاں انتخاب روکنا چاہیں بٹن پر سے انگلی ہٹالیں۔ انتخاب رُک جائے گا۔ منتخب شدہ الفاظ سفید ہو جائیں گے اور ان کا پس منظر (Background) سیاہ۔
- ایک لفظ کو منتخب کرنے کے لیے ماؤس کے بائیں بٹن کو دو بار لگا تار کلک کریں۔
- ایک جملے (Sentence) کو منتخب کرنے کے لیے ماؤس کے بائیں بٹن کو تین بار لگا تار کلک کریں۔

جملہ حذف کرنا (Deleting a Sentence)

- منتخب الفاظ کو اب آپ تختۂ تہجی کے بٹن Back Space Key / Enter / Delete کو دبا کر حذف کر سکتے ہیں۔ یا
- تدوین (Edit) کی فہرست (Menu) میں جا کر Undo Typing کر سکتے ہیں۔ یا
- تختۂ تہجی پر Ctrl + X کر سکتے ہیں۔ Ctrl + X کرنے سے منتخب الفاظ کمپیوٹر کی میموری میں محفوظ رہتے ہیں۔ انھیں اپنی ضرورت کے مطابق Ctrl + V کر کے Paste کر سکتے ہیں۔
- اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ غلطی سدھار کر آپ نے غلطی کر لی ہے تو:
  - ◆ تختۂ کلید پر Ctrl + Z دبا کر اس غلطی کا ازالہ کر سکتے ہیں۔ حذف شدہ جملہ واپس آ جائے گا۔ یا
  - ◆ تدوین کی فہرست میں جا کر Redo Typing پر کلک کر سکتے ہیں۔ حذف شدہ حصہ واپس آ جائے گا۔

تختۂ کلید کے کام (Key Board Functions)

تختۂ کلید کے بٹن (Keyboard Keys)	وہ کام جو ان سے کیے جا سکتے ہیں (Functions they can perform)
↑ ← ↓ →	اوپر والا بٹن دبانے سے کرسر ایک سطر اوپر جائے گا۔ نیچے والا بٹن دبانے سے کرسر ایک سطر نیچے جائے گا۔
← →	جس طرف کا بٹن دبائیں گے کرسر اپنی طرف چلے گا۔
←	Back Space کو ایک دفعہ دبانے سے ایک مجسومہ (Character) حذف ہوگا۔
Delete	اس کو دبانے سے دائیں جانب کا ایک حرف حذف (Delete) ہو جائے گا۔
Ctrl + ←	منتخب شدہ کو حذف (Delete) کرنے کے لیے
Ctrl + →	Ctrl کو دبائے رکھئے اور → کو ایک دفعہ دبانے سے کرسر لفظ بہ لفظ دائیں طرف چلے گا۔ Ctrl کو دبائے رکھئے اور ← کو ایک دفعہ دبانے سے کرسر لفظ بہ لفظ بائیں طرف چلے گا۔
Ctrl + ↑ Ctrl + ↓	Ctrl کو دبائے رکھئے اور ↑ کو ایک دفعہ دبانے سے کرسر ایک پیراگراف اوپر آ جائے گا۔ Ctrl کو دبائے رکھئے اور ↓ کو ایک دفعہ دبانے سے کرسر ایک پیراگراف نیچے آ جائے گا۔
Home	کو ایک دفعہ دبانے سے کرسر سطر کے شروع میں آ جائے گا۔
End	کو ایک دفعہ دبانے سے کرسر سطر کے آخر میں آ جائے گا۔

Ctrl + Home	کو دبانے سے کرسر دستاویز کے شروع میں آجائے گا۔
Ctrl + End	کو دبانے سے کرسر دستاویز کے آخر میں آجائے گا۔
Ctrl + X	کو دبانے سے منتخب شدہ جملہ یا پیرا حذف (Delete) ہو جائے گا۔
Ctrl + Z	کو دبانے سے اس سے پہلا کام کیا ہوا رد ہو جائے گا اور دستاویز پچھلی حالت پر آجائے گی۔ یہ عمل کئی دفعہ کیا جا سکتا ہے جس سے سلسلے وار کیے گئے کام رد ہوتے جائیں گے۔
Ctrl + S	کو دبانے سے جو بھی اب تک آپ نے کام کیا ہے وہ محفوظ (Save) ہو جائے گا۔

دستاویز کو محفوظ کرنا (Saving a Document)

- اب تک آپ نے ایک نئی فائل کھول کر عبارت ٹائپ کرنا سیکھ لیا ہے۔ اب آپ اس کی ایک فائل بنا سکتے ہیں اور اسے محفوظ کر سکتے ہیں۔ اس کے کئی طریقے ہیں۔
- پیکان (Arrow Head) کو لفظ File پر کلک کریں۔ اس میں سے ایک فہرست (Menu) نکلے گی۔
- اس پر لفظ Save پر پیکان کو لا کر کلک کریں یا
- Keyboard پر Ctrl + S دبائیں۔ یا
- لوح آلات پر اس علامت پر کلک کریں۔ ان تینوں عمل میں سے کوئی ایک عمل کرنے سے ایک استفساریہ نکلے گا۔ فائلوں کو کسی نہ کسی بستے میں محفوظ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے استفساریہ کھلتے ہی میری دستاویز (My Documents) نامی فائلوں کا بستہ نکلتا ہے۔ آپ اس میں اپنی فائل محفوظ کر سکتے ہیں۔
- اس بستے میں اپنی فائل محفوظ کرنے کے لیے آپ کو (Untitled) کی جگہ اپنی فائل کا نام ٹائپ کرنا ہوگا۔ یہاں کوئی بھی نام ٹائپ کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر Fox Jumps ٹائپ کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد Save پر کلک کریں۔ فائل Fox Jumps کے نام میں محفوظ ہو جائے گی۔ استفساریہ غائب ہو جائے گا۔

خاص بستے میں اپنی فائل محفوظ کرنا (Saving your file in a special folder)

- اگر آپ میری دستاویز نامی بستے میں اپنی فائل محفوظ کرنا نہیں چاہتے تو ایک نیا بستہ (Folder) بنا سکتے ہیں جو اس استفساریہ میں اوپر کی پٹی پر اس علامت کو کلک کرنے سے ہو سکتا ہے۔
- اس پر کلک کرنے سے جو استفساریہ آئے گا اس میں پہلے اس بستے (Folder) کا نام ٹائپ کرنا پڑے گا۔ اس کو Save کرنے کے بعد فائل کا نام ٹائپ کر کے اس کو Save کرنے سے آپ کی فائل نئے بستے میں محفوظ ہو جائے گی۔
- فائل کھولنے کی مشق کرنے کے لیے فائل کو بند کرنا پڑے گا۔ ایسا آپ لوح آلات پر کلک کر کے کر سکتے ہیں۔ کمپیوٹر کو بند کریں پھر اس کو دوبارہ کھول کر MS Word میں لے آئیں۔ یہ اس وقت Document- 1 میں ہوگا۔

(جاری)

نجمہ نقوی

کوئز

کھیل، کود

(1) دی گولڈ فلیک انٹر نیشنل اوپن پلیرز چیمپین شپ مندرجہ ذیل میں سے کس شہر میں منعقد کی گئی تھی؟
(الف) چینئی (ب) بنگلور
(ج) پونا (د) ممبئی

(2) ارجن ایوارڈ مندرجہ ذیل میں سے کس شعبے میں دیے جاتے ہیں؟
(الف) سائنس و ٹیکنالوجی (ب) کھیل کود
(ج) سماجی خدمات (د) طبی خدمات

(3) 1998 کے ایشیائی کھیل مندرجہ ذیل میں سے کس شہر میں منعقد ہوئے؟
(الف) سیول (ب) بیجنگ
(ج) میلبورن (د) بینکاک

(4) گیت سیٹھی کا تعلق کس کھیل سے ہے؟
(الف) کرکٹ (ب) بلیئرڈس
(ج) فٹبال (د) باسکٹ بال

(5) کلاسک انڈین اوپن گولف چیمپین شپ مارچ 1997 میں ان میں سے کس شہر میں منعقد کی گئی؟
(الف) ممبئی (ب) جے پور
(ج) بنگلور (د) کولکاتا

(6) گذشتہ اولمپک کھیل کس شہر میں منعقد کیے گئے؟
(الف) ٹوکیو (ب) بیجنگ
(ج) سڈنی (د) ٹورنٹو

(7) ہندستان کے قومی کھیل کا نام بتایئے؟
(الف) کبڈی (ب) شطرنج
(ج) ہاکی (د) کرکٹ

(8) کرکٹ کے کس کھلاڑی کو پدم بھوشن ایوارڈ دیا گیا ہے؟
(الف) بی ایس چندر شیکھر (ب) کپل دیو
(ج) محمد اظہر الدین (د) سنیل گواسکر

(9) 1996 میں چینئی میں ہونے والے چیمپینز ہاکی ٹورنامنٹ میں کن ممالک نے پہلی تین پوزیشن حاصل کیں؟
(الف) نیدرلینڈز، پاکستان، ہندستان
(ب) آسٹریلیا، پاکستان، اسپین
(ج) نیدرلینڈ، پاکستان، جرمنی
(د) پاکستان، نیدرلینڈ، ہندستان

(10) "آف سائڈ" کی اصطلاح مندرجہ ذیل میں سے کس کھیل سے متعلق ہے؟
(الف) باسکیٹ بال (ب) فٹ بال
(ج) والی بال (د) بیڈمنٹن

(11) 1996 میں ہوئے اٹلانٹا اولمپک میں مندرجہ ذیل میں سے کس کھلاڑی نے 100 میٹر دوڑ میں طلائی تمغہ حاصل کیا تھا؟
(الف) فرینکی فریڈرک (ب) کارل لوئس
(ج) لنفورڈ کرسٹی (د) ڈونوں بیلی

(12) موہن بگان کی ٹیم کا تعلق کس کھیل سے ہے؟
(الف) فٹ بال (ب) کرکٹ
(ج) ہاکی (د) ٹینس

(13) 1996 کے اولمپک میں ہالینڈ نے کس ملک کو ہرا کر ہاکی کا سونے کا طمغہ جیتا تھا؟
(الف) اسپین (ب) آسٹریلیا
(ج) پاکستان (د) اٹلی

(14) مندرجہ ذیل کھیلوں میں سے اولمپک میں کھیلا گیا کون سا کھیل ایسا ہے جسے "واٹر پولو وو آوٹ واٹر" اور "باسکٹ بال وِد آوٹ باسکٹ" کا نام دیا گیا؟
(الف) بیس بال (ب) ٹیم ہینڈ بال

(ج) اکویسٹرین (د) والی بال

(15) "بلی"(Bully) کی اصطلاح کس کھیل سے متعلق ہے؟

(الف) پولو (ب) فٹبال

(ج) ہاکی (د) بلیرڈس

(16) مندرجہ ذیل میں سے کون پانچ مرتبہ ومبلڈن چیمپئن رہا؟

(الف) جان میکنرو (ب) جمی کانرس

(ج) جان بورگ (د) بورس بیکر

(17) فٹبال گول کی چوڑائی مندرجہ ذیل میں سے کیا ہے؟

(الف) 20فٹ (ب) 22فٹ

(ج) 24فٹ (د) 26فٹ

(18) رنجی ٹرافی کا تعلق مندرجہ ذیل میں سے کس کھیل سے ہے؟

(الف) کرکٹ (ب) ہاکی

(ج) کبڈی (د) باسکٹ بال

(19) واٹر پولو کی ٹیم میں کتنے کھلاڑی ہوتے ہیں؟

(الف) 6 (ب) 7

(ج) 9 (د) 11

(20) اسکیٹنگ کی جگہ کو کیا کہتے ہیں؟

(الف) ارینا (ب) کورٹ

(ج) رنک (د) رنگ

(21) مندرجہ ذیل میں سے کون سا جوڑا درست نہیں ہے؟

(الف) فٹبال۔ رابرٹو باگیو

(ب) کرکٹ۔ برائن لارا

(ج) لان ٹینس۔ مینخائل چانگ

(د) ٹیبل ٹینس۔ گیری کاسپاروف

(22) وشوناتھن آنند کا تعلق کس کھیل سے ہے؟

(الف) کرکٹ (ب) ہاکی

(ج) ٹینس (د) شطرنج

(23) پینالٹی کارنر کی اصطلاح کس کھیل میں استعمال ہوتی ہے؟

(الف) بیڈمنٹن (ب) ٹیبل ٹینس

(ج) ہاکی (د) ان میں سے کسی میں نہیں

(24) ولیم بہنوں کا تعلق کس کھیل سے ہے؟

(الف) ٹینس (ب) پولو

(ج) بیڈمنٹن (د) شطرنج

(25) حال ہی میں ایک کھلاڑی نے ارجن ایوارڈ لینے سے انکار کیا ہے؟ اس کا نام بتایئے؟

(الف) پی ٹی اوشا (ب) سچن تندولکر

(ج) ملکھا سنگھ (د) پرگٹ سنگھ

(26) حال ہی میں سری لنکا میں ختم ہونے والی ہندستان، سری لنکا ٹیسٹ سیریز کے مین آف دی سیریز کا کیا نام ہے؟

(الف) سنت جے سوریہ (ب) سوربھ گانگولی

(ج) چامنڈا داس (د) متھیا مرلی دھرن

(27) مہیش بھوپتی کا تعلق کس کھیل سے ہے؟

(الف) بیڈمنٹن (ب) فٹبال

(ج) ٹینس (د) پولو

(28) جاپان کے قومی کھیل کا نام بتایئے؟

(الف) جوجتسو (ب) مکاؤ

(ج) کراٹے (د) سمو

(29) ڈورنڈ کپ کا تعلق کس کھیل سے ہے؟

(الف) فٹبال (ب) تیراکی

(ج) تیراندازی (د) ٹیبل ٹینس

(30) سلپ(Slip) کی اصطلاح کس کھیل سے متعلق ہے؟

(الف) ہاکی (ب) کرکٹ

(ج) کبڈی (د) باسکٹ بال

(31) ہندستانی کرکٹ ٹیم کے کوچ کا کیا نام ہے؟

(الف) گنڈپا وشوناتھ (ب) جیوف مارش

(ج) جان رائٹ (د) ان میں سے کوئی نہیں

(32) ہندستان کے کس کھلاڑی کو ہاکی کا جادوگر کہا جاتا ہے؟

(الف) اسلم شیر خاں (ب) پرگٹ سنگھ

(ج) میجر دھیان چند (د) دھن راج پلے

(33) پٹ سمپراس کو کس کھیل میں عالمی شہرت حاصل ہے؟

(الف) ٹینس (ب) بیڈمنٹن

(ج) شطرنج (د) کرکٹ

(34) ہندستان کے اس کرکٹ کھلاڑی کا نام بتایئے جسے سر ڈان بریڈ مین نے اپنے پسندیدہ کرکٹ کھلاڑیوں میں شمار کیا ہے؟
(الف) سنیل گواسکر (ب) محمد اظہرالدین
(ج) نواب پٹودی (د) سچن تندولکر

(35) "شیرو" کون سے ہونے والے کھیلوں کا نشان (Emblem) ہے؟
(الف) ایشیائی کھیل (ب) ہندستان کے قومی کھیل
(ج) اولمپک کھیل (د) ایفروایشیائی کھیل

(36) 2001 کی خاتون ومبلڈن چیمپئن مندرجہ ذیل میں سے کون ہے؟
(الف) وینس ولیمز (ب) مونیکا سیلیز
(ج) مارٹینا ہنگز (د) جینیفر کیپریاتی

(37) بی پی ایل انڈین بیڈ منٹن چیمپئن شپ کے موجودہ چیمپئن کا کیا نام ہے؟
(الف) گوپی چند (ب) چیتن آنند
(ج) رمیش کرشنن (د) ان میں سے کوئی نہیں

(38) حال میں ختم ہوئے سلطان ازلان شاہ ہاکی ٹورنامنٹ کے فائنل کے فاتح کا نام بتایئے۔
(الف) جرمنی (ب) جنوبی کوریا
(ج) آسٹریلیا (د) پاکستان

(39) حال ہی میں نیوزی لینڈ کے خلاف ایک روزہ میچ کھیلتے ہوئے ہندستانی کرکٹر وریندر سہواگ نے دنیا کی ساتویں اور ہندستان کی دوسری تیز ترین سنچری بنانے کا ریکارڈ قائم کیا۔ یہ سنچری کتنی گیندوں میں بنی؟
(الف) 54 (ب) 62
(ج) 69 (د) 58

(40) سب سے کم گیندوں (37) پر سنچری بنانے کا ریکارڈ کس کرکٹر کے نام ہے؟
(الف) محمد اظہرالدین (ب) وسیم اکرم
(ج) شاہد آفریدی (د) مارک وا

(41) 2000 کے راجیو گاندھی کھیل رتن ایوارڈ سے کسے نوازا گیا ہے؟
(الف) سچن تندولکر (ب) گوپی چند
(ج) لینڈر پائس (د) سوربھ گانگولی

(42) 2000 میں سڈنی میں ہوئے اولمپک کھیلوں میں امریکہ نے کل کتنے گولڈ میڈل حاصل کیے؟
(الف) 40 (ب) 38
(ج) 39 (د) 34

(43) سڈنی اولمپک میں ہندستان کے لیے کانسے کا واحد تمغہ جیتنے والی کھلاڑی کا نام کیا ہے؟
(الف) پی ٹی اوشا (ب) کنجو رانی دیوی
(ج) ملیشوری (د) شانتی ابراہم

(44) کرکٹ کو اولمپک کھیلوں سے کس سنہ میں ہٹایا گیا؟
(الف) 1936 (ب) 1920
(ج) 1904 (د) 1900

(45) 2004 میں ہونے والے اولمپک کھیل کس شہر میں ہوں گے؟
(الف) پیرس (ب) سیول
(ج) ایتھنس (د) ٹوکیو

(46) پہلے اولمپک کھیل کس سنہ میں منعقد کیے گئے تھے؟
(الف) 1860 (ب) 1876
(ج) 1896 (د) 1900

(47) 1998 کے ایشیائی کھیلوں کا انعقاد کس ملک میں ہوا تھا؟
(الف) جاپان (ب) سری لنکا
(ج) جنوبی کوریا (د) تھائی لینڈ

(48) 1998 کے عالمی فٹبال کپ چیمپئن کا نام بتایئے۔
(الف) فرانس (ب) اٹلی
(ج) برازیل (د) ہالینڈ

(49) دنیا میں سب سے زیادہ ٹسٹ سنچریاں بنانے والے کرکٹر کا نام بتایئے؟
(الف) جاوید میاں داد (ب) ڈان بریڈ مین
(ج) سنیل گواسکر (د) گیری سوبرس

(50) دنیا میں سب سے زیادہ وکٹ لینے والے گیند باز کا نام بتایئے؟
(الف) کپل دیو (ب) رچرڈ ہیڈلی
(ج) وسیم اکرم (د) کرٹنی واش

(جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں۔)

□□□

L-368/A, Sector 12,
(Near Santosh Medical College), Ghaziabad

اردو خبرنامہ

اقلیتوں کی زبان و تعلیم کے حوالے سے ڈاکٹر ذاکر حسین کی یاد میں بین الاقوامی کانفرنس

● نئی دہلی، 8/ فروری۔ سابق صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین کے 105 ویں یوم پیدائش پر ڈاکٹر ذاکر حسین اسٹڈی سرکل اور ماڈرن ایجوکیشن فاؤنڈیشن کی جانب سے 8 تا 11 فروری 2002 کے دوران ایک بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ ''اکیسویں صدی کی ہندستانی جمہوریت میں اقلیتوں کی تعلیم اور ان کی زبان کا مطالعہ اردو تعلیم کے خصوصی حوالے اور ڈاکٹر ذاکر حسین کی خدمات کی روشنی میں'' کے عنوان سے منعقد ہونے والی اس کانفرنس کی افتتاحی تقریب سے جناب کے. آر. نرائنن، صدر جمہوریہ ہند خطاب کرنے والے تھے مگر کسی ہنگامی مصروفیت کے سبب وہ تشریف نہیں لا سکے۔ لیکن ان کا تفصیلی پیغام ان کی غیر موجودگی میں سابق وزیر مملکت برائے امور خارجہ جناب سلمان خورشید نے پڑھ کر سنایا۔ اپنے پیغام میں صدر جمہوریہ نے اردو کو ہندستان کی بے حد خوبصورت زبان قرار دیتے ہوئے اس کی زیادہ سے زیادہ ترویج پر زور دیا اور اس زبان کی ترقی میں سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین کی خدمات کی ستائش کی۔

اپنے افتتاحی خطبے میں دہلی کی وزیر اعلیٰ مسز شیلا دکشت نے کہا کہ ان کی سرکار اردو زبان کے فروغ کے مقصد سے اسے پنجابی کے ساتھ دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کی کوشش کر رہی ہے اور اس سمت میں جلد قدم اٹھایا جائے گا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اردو کو دیوناگری رسم الخط میں پڑھنے اور سیکھنے کی بجائے اردو رسم الخط میں سیکھنا چاہیے۔

انھوں نے یقین دلایا کہ دہلی سرکار اردو کی ترقی اور اس کی توسیع و ترویج کے لیے کوشاں ہے۔ اس مقصد کے لیے حکومت عنقریب ایک بڑا کتب خانہ قائم کرے گی جس میں اردو زبان و ادب کی تمام کتابیں رکھی جائیں گی تاکہ ملکی اور غیر ملکی اسکالروں کو کہیں بھٹکنے کی ضرورت نہ پڑے اور سارا ادب ان کو ایک جگہ دستیاب ہو جائے۔

''اکیسویں صدی کی ہندستانی جمہوریت میں اقلیتوں کی تعلیم اور ان کی زبان کا مطالعہ اردو تعلیم کے خصوصی حوالے اور ڈاکٹر ذاکر حسین کی خدمات کی روشنی میں'' کے عنوان سے منعقد ہونے والی اس کانفرنس کی افتتاحی تقریب کے مہمان خصوصی جموں و کشمیر کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ تھے۔ استقبالیہ خطبہ ڈاکٹر ذاکر حسین اسٹڈی سرکل کے صدر سلمان خورشید نے پیش کیا۔ کرناٹک اور گوا کے سابق گورنر خورشید عالم خاں نے اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر ذاکر حسین کی گراں بہا خدمات پر روشنی ڈالی جو انھوں نے اردو کے لیے انجام دیں۔

افتتاحی اجلاس کے بعد کانفرنس کے دو اکادمک اجلاس انڈیا انٹرنیشنل سنٹر میں منعقد ہوئے۔ پہلے اجلاس کا موضوع تھا ''مذہبی اور لسانی اقلیتوں کی تعلیم کا آئینی اور قانونی فریم ورک''۔ اس کی صدارت اٹارنی جنرل آف انڈیا جناب سولی جے. سوراب جی اور جے. این. یو. میں انٹرنیشنل لاء کے پروفیسر جناب یوگیش تیاگی نے کی۔ بار ایسوسی ایشن آف انڈیا کے صدر جناب ایف. ایس. نریمان نے کلیدی خطبہ پیش کیا۔ اس اجلاس میں جن دانشوروں کو مقالات پڑھنے اور اظہار خیال کے لیے مدعو کیا گیا تھا ان میں سی. آئی. ایس. سی. ای. کے چیف ایگزیکیٹو ڈاکٹر فرانسس فہیم، پروفیسر عبدالغفار عزم (لندن)، ڈاکٹر معین الدین جینابڑے (بمبئی یونیورسٹی) اور جناب عرفان الہدیٰ (الہ آباد) کے نام شامل تھے۔ دوسرا اجلاس ''مذہبی اور لسانی اقلیتوں کا تعلیمی فریم ورک'' پر تھا جس کی صدارت دہلی یونیورسٹی کے پروفیسر اور انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن کے چیئرمین پروفیسر انل سدگوپال نے کی۔ کلیدی خطبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ، ڈائرکٹر قومی اردو کونسل نے پیش کیا جس پر جناب سید شہاب الدین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مقالہ نگاروں میں جناب حسن عبداللہ، جناب اے. آر. شیروانی، جناب اشوک گانگولی (چیئرمین سی. بی. ایس. ای.) اور ڈاکٹر حیدر خاں (حیدر آباد) شامل تھے۔

9/ فروری کو کانفرنس کے دوسرے دن صبح کے اجلاس کا موضوع 'پہلی، دوسری اور تیسری زبان کے طور پر مادری زبان کی تعلیم: معیار اور امکانات' تھا۔ یہ اجلاس جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے ذاکر حسین سنٹر فار ایجوکیشنل اسٹڈیز کے چیئرپرسن پروفیسر دیپک کمار کی صدارت میں منعقد ہوا۔ کلیدی خطبہ جناب سید شہاب الدین نے پیش کیا اور جے. این. یو. میں انگریزی کے پروفیسر جناب ہریش نارنگ نے کلیدی خطبے پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ یونیورسٹی آف ہائیڈل برگ، جرمنی میں اردو زبان کی پروفیسر ڈاکٹر کرسٹینا اوسٹر ہیلڈ، لندن یونیورسٹی کی ڈاکٹر آمنہ یقین، یونیورسٹی آف برکلے کی ڈاکٹر کیلی لیونورا پیمبرٹن، معروف اردو ماہنامے 'شاعر' ممبئی کے

مدیر جناب افتخار امام صدیقی اور دہلی پبلک اسکول کی کئی شاخوں اور پبلک اسکولوں کے پرنسپل صاحبان نے مقالات پیش کیے۔

اسی دن دوپہر کے سیشن کا موضوع 'ابتدائی اور ثانوی سطح پر اردو ذریعہ تعلیم کے مسائل اور امکانات' تھا جس کی صدارت معروف ماہر سماجیات پروفیسر امتیاز احمد نے کی۔ کلیدی خطبہ دہلی یونیورسٹی کے پروفیسر اعلیٰ سدگوپال نے پیش کیا جس پر اپنے خیالات کا اظہار یونیورسٹی آف ہائیڈل برگ، جرمنی کی ڈاکٹر کیرین گریفین وان شوریرن نے کیا۔ مقالہ نگاروں میں جناب پرتیوش چندرا، یونیورسٹی آف مشی گن کے ڈاکٹر ایم. جے. وارثی اور ہندستانی زبانوں کے مرکز، جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے ڈاکٹر شاہد حسین، ڈاکٹر انوریا شاہ اور ڈاکٹر مظہر مہدی کے نام شامل تھے۔

کانفرنس کا پانچواں اکادمک اجلاس 10/ فروری 2002 کی صبح پروفیسر امتیاز احمد اور پروفیسر ڈینیل گولڈ (یونیورسٹی آف کورنیل) کی صدارت میں میڈیا میں اقلیتوں کی تصویر کشی کے حوالے سے منعقد ہوا۔ مہمان خصوصی اخبار نو کے ایڈیٹر اور سابق ایم. پی. جناب م. افضل تھے۔ کلیدی خطبہ ہفت روزہ 'آؤٹ لک' کے مدیر جناب ونود مہتا نے پیش کیا جس پر روزنامہ 'پانیر' کے مدیر جناب چندن مترا نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس سیشن میں 'ٹائمس آف انڈیا' کے معاون مدیر جناب سدھارتھ ورداراجن، لندن یونیورسٹی کی ڈاکٹر آمنہ یقین، پروفیسر ڈیوڈ جے. میتھیوز اور ڈاکٹر کیرین گریفین شوریرن نے مقالات پیش کیے اور مباحث میں حصہ لیا۔ اس دن کا آخری اجلاس قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمیداللہ بھٹ کی صدارت میں دوپہر کے بعد شروع ہوا جس کا موضوع تھا 'معاصر معاشرے میں اردو کی جڑوں کی بازیافت'۔ اس اجلاس میں لندن سے تشریف لائے جناب صابر ارشاد عثمانی (سکریٹری اردو ٹرسٹ)، جناب ارتقا شیخ، جناب ثروت اقبال، جناب حبیب زبیری اور یونیورسٹی آف مشی گن کے پروفیسر تحسین صدیقی نے مقالات پیش کیے۔ سبھی اجلاسوں میں دہلی کی مقتدر علمی شخصیات نے حصہ لیا۔

11/ فروری 2002 کو صبح ساڑھے نو بجے کانفرنس کا اختتامی اجلاس وگیان بھون میں منعقد ہوا۔ اختتامی خطبہ پیش کرتے ہوئے حسبِ مخالف کی لیڈر مسز سونیا گاندھی نے مطالبہ کیا کہ ہندستان کی اس تیسری سب سے بڑی زبان کو اصل دھارے کے نصاب میں شامل کیا جائے۔ محترمہ سونیا گاندھی نے اس پر افسوس کا اظہار کیا کہ اردو پر غیر ملکی زبان کا لیبل چسپاں کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جبکہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اردو ہندستان کے اسی خطے میں جنمی اور پلی بڑھی جس خطے میں آج ہم یہ کانفرنس کررہے ہیں۔ سامعین کو یاد دلاتے ہوئے کہ کسی زمانے میں اردو کو ایک اہم مقام حاصل تھا، سونیا گاندھی نے کہا کہ اردو نے قومی کردار کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انھوں نے کہا کہ ہندی اور اردو دونوں کے ملنے سے ہندستانی زبان بنی جس نے ہندستان کی آزادی میں گراں قدر کردار نبھایا۔ انقلاب زندہ باد کا نعرہ اردو کی ہی دین ہے جس نے پوری قوم کا قلب گرما رکھا تھا۔

ذاکر حسین اسٹڈی سرکل کے سربراہ اور کانگریس لیڈر جناب سلمان خورشید نے محترمہ سونیا گاندھی کا خیر مقدم کرتے ہوئے کانفرنس کے گذشتہ تین دن کے اجلاسوں کی مختصر روداد بیان کی۔ اکادمک مباحث کے بعد تیار کی گئی قرار دادیں ڈاکٹر ذاکر حسین اسٹڈی سرکل کے سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی نے پڑھ کر سنائیں اور کانفرنس کے شرکا اور معاونین کا شکریہ ادا کیا۔

کانفرنس میں منظور کی گئی قراردادوں میں ایسی پالیسیاں بنانے پر زور دیا گیا جن کے ذریعے اردو کو اس کا جائز مقام ملے اور سیکولر نصاب میں اسے شامل کیا جاسکے تاکہ ایسے طلبہ کو جن کے سامنے فی الحال صرف مدرسے کی تعلیم ہے، ایک جدید اور سیکولر متبادل فراہم کرنے میں مدد ملے۔

تمام سرکاری اسکولوں اور ریاستی بورڈوں سے ملحق اسکولوں میں ایسے طلبہ و طالبات کے لیے جو اپنی مادری زبان اردو لکھواتے ہیں، پرائمری سطح پر اردو کو وسیلۂ تعلیم بنانے اور سیکولر نصاب میں اس زبان کو شامل کرنے کا بھی مطالبہ کیا گیا۔ شمالی ہندستان کے تعلیمی نظام میں سہ لسانی فارمولے کے موثر نفاذ اور اس میں اردو بولنے والوں کے لیے اردو زبان کی یقینی تعلیم کی فراہمی کا بھی مطالبہ کیا گیا۔ (ڈاک سے)

مولانا آزاد یونی ورسٹی کی تقریبِ یومِ تاسیس

● حیدرآباد، 11/ جنوری۔ سابق سفیر ہند برائے امریکہ ڈاکٹر عابد حسین نے کہا کہ ہمیں حصولِ علم کے راستے میں مذہبی تعصب یا غربت و افلاس کو رکاوٹ نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ عزم و ہمت کے ساتھ ہر قدم پر اس کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ زندگی میں نامساعد حالات کا سامنا ہو تب بھی ہمیں مشہور سائنس داں ڈاکٹر عبدالکلام اور آر اے مشیلکر ڈائرکٹر جنرل سی ایس آئی آر جیسی کامیاب شخصیتوں کی ابتدائی زندگیوں کو مشعلِ راہ بنانا

چاہیے۔ ان لوگوں نے انتہائی مفلسی و غربت اور تعصب کے ماحول میں رہتے ہوئے حصولِ علم کو جاری رکھا اور وہ اس مقام پر پہنچے جہاں استطاعت رکھنے والوں کی بھی رسائی ممکن نہیں ہو سکی۔ ڈاکٹر عابد حسین یہاں نظام کالج میں منعقد مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی کی چوتھی یومِ تاسیس تقریب سے خطاب کر رہے تھے۔

ڈاکٹر ایم اسحاق جمخانہ والا صدر انجمنِ اسلام ممبئی و سابق وزیر حکومت مہاراشٹر نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ صرف یونی ورسٹی کا قیام ہی کافی نہیں ہے بلکہ مولانا آزاد یونی ورسٹی سے فارغ التحصیل طلبہ کو روزی روٹی سے مربوط کرنے کے لیے حکومت کی طرف سے موثر اقدامات کرنے کی ضرورت ہے تبھی اس یونی ورسٹی میں طلبہ کی تعداد میں اضافہ ہوگا اور دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اس یونی ورسٹی سے وابستہ ہوں گے۔ انھوں نے کہا کہ اردو میڈیم سے تعلیم حاصل کرنا جو لوگ حقیر سمجھتے ہیں دراصل وہ احساسِ کمتری میں مبتلا ہیں۔ انھوں نے اپنے ادارے انجمنِ اسلام کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ وہاں ہائی اسکول تک ذریعہ تعلیم اردو ہے۔ اساتذہ اور انتظامیہ کا معیار اچھا ہو تو اس کے نتائج بھی مثبت ہوتے ہیں۔ انجمن اسلام میں جہاں اردو میڈیم کی 500 نشستیں ہیں داخلے کے لیے 10 ہزار درخواستیں وصول ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ وہاں کا اعلیٰ معیار ہے۔ اگر معیار اچھا ہو تو خود بخود لوگ ایسے اداروں کے قریب آتے ہیں۔ ممتاز سائنس داں ڈاکٹر محمد رفیق صدیقی کنسلٹنٹ، شعبہ انٹو مولاجی اینڈ نیانو الابی، آئی اے سی آر، روتھ ہسپتال انگلینڈ نے اپنی تقریر میں مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ اپنے بچوں کو سائنسی علوم سے آراستہ کرنے پر توجہ مرکوز کریں۔

قبل ازیں وائس چانسلر پروفیسر شمیم جیراجپوری نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں بتایا کہ مولانا آزاد یونی ورسٹی کے پہلے ڈگری کورس کے بیچ کی معیاد تکمیل کے قریب ہے۔ انھوں نے کہا کہ 9 جنوری 2002 کو یونی ورسٹی کے چار برس مکمل ہوگئے مگر کسی یونی ورسٹی کی زندگی میں چار برسوں کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی۔ ان چار برسوں میں جو بھی ترقی ہوئی ہے، اس میں ہندستان کے تمام محبانِ اُردو کا تعاون اور ان کی رائے شامل ہے۔ وائس چانسلر نے کہا کہ یونی ورسٹی کے اپنے کیمپس میں منتقل ہونے کا عمل شروع ہوگیا ہے۔ یونی ورسٹی کے ابتدائی دور میں 14 ہزار طلبہ فاصلاتی نظامِ تعلیم سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یہاں نصابِ تعلیم کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کورس کا معیاری ترجمہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ تاہم اس مسئلے کے حل کے لیے اقدامات کیے جارہے ہیں۔ تقریب میں جسٹس سردار علی خاں، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، پروفیسر جعفر نظام، سابق ممبران پارلیمنٹ جناب رحمت علی اور جناب محمد خلیل الرحمن، پروفیسر مغنی تبسم، پروفیسر وارث علوی، پروفیسر یوسف کمال کے علاوہ یونی ورسٹی کے اساتذہ، ادبا، شعرا اور طلبہ کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ (ڈاک سے)

اردو ادب کی ایک صدی دہلی یونی ورسٹی میں سمینار

● نئی دہلی، 15 جنوری۔ "بزم ادب شعبۂ اردو" کی جانب سے "اردو ادب کی ایک صدی" کے موضوع پر 15 جنوری کو کل ہند یک روزہ ریسرچ اسکالرز سمینار کا انعقاد کیا گیا جس کا افتتاح پروفیسر محمد حسن نے شمع روشن کر کے کیا۔ افتتاحی اجلاس کی صدارت پروفیسر قمر رئیس نے کی اور ڈاکٹر کمال احمد صدیقی نے بحیثیت مہمانِ خصوصی شرکت کی۔ اپنے استقبالیہ خطبے میں صدر شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی پروفیسر عتیق اللہ نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور سمینار کی غرض و غایت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اس سمینار کا مقصد جہاں ریسرچ اسکالرز کے مسائل پر سنجیدگی سے توجہ دینا ہے وہیں تنقید و تحقیق کے مطالبات سے نئی نسلوں کو باخبر بھی کرنا، نیز ذہنی و فکری تربیت کر کے ان کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا ہے۔ ڈاکٹر عتیق اللہ نے پروفیسر محمد حسن کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ انھوں نے ادب میں جن رجحانات کی بنیاد گزاری کی ہے ان کا تعلق ادب اور سماجیات کے رشتوں سے ہے۔ ڈاکٹر عتیق اللہ نے پروفیسر قمر رئیس کو ناول فہمی کا شعور عطا کرنے والا نقاد قرار دیتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر قمر رئیس ایک ممتاز مارکسی نقاد، ترجمہ نگار، شاعر اور استاد کی حیثیت سے ہمارے دلوں میں محترم مقام رکھتے ہیں۔

پروفیسر محمد حسن نے اپنے خطبے میں کہا کہ ریسرچ اسکالرز کو تحقیق کے مبادیات کا علم لازم ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ تحقیق محض ریسرچ یعنی دوبارہ تلاش کا کام نہیں بلکہ تحقیق کار تو کولمبس جیسی صفات سے متصف ہوتا ہے۔ چنانچہ عملی طور پر تساہل، کج روی اور آسان پسندی کو یہاں دخل نہیں۔ اردو کے قدیم ادبی ذخائر اس قدر ہیں کہ سنسکرت کے سوا ہندستان کی کوئی دوسری زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ہمیں ان سے استفادہ کرنا چاہیے۔ ساتھ ہی قدیم مواد کی جدید آگہی اور عصری تقاضوں کے تحت جانچ پرکھ ضروری ہے ورنہ ہم تحقیقی موضوع کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر کمال احمد صدیقی نے کہا کہ بنیادی بات یہ ہے کہ جو تخلیقی فنکار نہیں وہ نہ معتبر نقاد بن سکتا ہے اور نہ صحیح معنوں میں تحقیق کا حق ادا کر سکتا ہے۔ حالی مقدمہ شعر و شاعری جیسی بوطیقا لکھنے میں کامیاب ہوئے کہ وہ بنیادی طور پر تخلیق کار تھے، تحقیق میں نظر کی وسعت ضروری ہے جو مطالعے سے ممکن ہے۔ صدرِ جلسہ پروفیسر قمر رئیس نے کہا کہ تحقیق میں نئے تقاضوں، مواد کی

فراہمی اور نئی معلومات جیسے امور پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

چائے کے وقفے کے بعد دوسرا اجلاس شروع ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر تنویر احمد علوی، پروفیسر صدیق الرحمان قدوائی، پروفیسر عبدالحق اور ڈاکٹر خالد محمود نے کی۔ اس سیشن میں سرورالہدیٰ نے "اردو کی ایک صدی" کے عنوان سے اور قیصر زماں نے "تفہیم ادب اور ادبی تنقید" کے عنوان سے مقالہ پڑھا۔ درخشاں زیدی نے اپنے مقالے "آزادی سے قبل اردو غزل" میں مختلف تحریکوں اور تصورات کی روشنی میں اردو غزل میں ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ لیا جب کہ ممنون عالم کا مقالہ "اردو ڈرامے کی ایک صدی میں ڈرامے کا ارتقا اور فن" پر تھا۔ نجمہ خان کا مقالہ "تنقید کی ایک صدی" محنت سے لکھا گیا مقالہ تھا۔ اس سیشن کے صدور میں سے ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے کہا کہ ریسرچ اسکالر متعین تصورات کو حتمی نہ سمجھیں، بلکہ نتائج تک پہنچنا ہی تحقیق ہے۔ اس سلسلے میں تقابلی مطالعہ، مختلف علوم و فنون اور تاریخ و تہذیب کا علم ضروری ہے۔ پروفیسر صدیق الرحمان قدوائی نے تحقیق کے مبادیات پر روشنی ڈالی۔ نظامت کے فرائض محترمہ یاسمین نے انجام دیے جب کہ فیاض عالم نے اظہار تشکر کی رسم ادا کی۔ لنچ کے بعد تیسرا سیشن شروع ہوا۔ جس کی صدارت پروفیسر عتیق اللہ، ڈاکٹر ابن کنول اور ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین نے کی۔ نظامت کے فرائض محمد فیروز خاں نے انجام دیے۔ اس سیشن میں پہلا مقالہ عطیہ رئیس نے بعنوان "آبادونیا کا افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی" پیش کیا۔ رضوان الحق نے "اردو انشائیہ نگاری کی ایک صدی" کہکشاں لطیف نے "بیسویں صدی میں رومانی تنقید" اور محمد غلام جیلانی نے "خاکہ نگاری اور پروفیسر نورالحسن نقوی" کے عنوان سے مقالے پڑھے۔ مجلس صدارت سے ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین اور ڈاکٹر ابن کنول نے تاثرات پیش کیے۔ اس کے بعد آل انڈیا اردو ریسرچ اسکالرز ایسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے کنوینر محمد مرغوب عالم (دہلی یونی ورسٹی) سرورالہدیٰ (جے این یو) اور تنویر سید (جامعہ ملیہ) منتخب ہوئے۔ صدر شعبہ اردو پروفیسر عتیق اللہ نے اختتامی کلمات پیش کیے اور آخر میں محمد مرغوب عالم کنوینر سمینار کمیٹی نے مختلف یونی ورسٹیوں سے آئے ہوئے مندوبین و اساتذہ اور طلبہ اور طالبات کا شکریہ ادا کیا۔ اس سمینار میں ملک کی ممتاز یونی ورسٹیوں کے اسکالرز نے شرکت کی۔ (قومی آواز، دہلی)

مرتضویہ ایجوکیشنل اینڈ کلچرل فاؤنڈیشن چینئی میں جلسہ تقسیم اسناد

● "جو کام خلوص سے کیا جاتا ہے اس کی روشنی دور تک پہنچتی ہے۔ ایسا ہی یہ ادارہ ہے جس کے چرچے میں نے کئی محفلوں میں سنے تھے۔" مرتضویہ ایجوکیشنل اینڈ کلچرل فاؤنڈیشن کی علمی و تدریسی خدمات کی ستائش کرتے ہوئے پروفیسر گوپی چند نارنگ نے اپنے خطاب میں کہا۔

17/جنوری کی شام 4:30 بجے مرتضویہ ایجوکیشنل اینڈ کلچرل فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام کمپیوٹر سے متعلق ڈی ٹی پی ڈپلوما کورس کی تقسیم اسناد کے لیے یہ جلسہ ہوا تھا جس کی صدارت تمل ناڈو گورنمنٹ اردو اکادمی کے وائس چیئرمین ڈاکٹر سید صفی اللہ نے کی اور پروفیسر گوپی چند نارنگ کے ہاتھوں طلبہ و طالبات کو اسناد تقسیم کی گئیں۔ فاؤنڈیشن کے بانی اور صدر ڈاکٹر ایس۔ کے۔ قادری نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ ڈاکٹر جی۔ ایس۔ ایم۔ پی قادری نے فاؤنڈیشن کی پچھلی پچاس سالہ کارگزاریوں پر روشنی ڈالی۔

ڈاکٹر سید صفی اللہ نے صدارتی تقریر میں فاؤنڈیشن کی ادبی، دینی، قومی و ملی خدمات کا جائزہ لیا اور ڈاکٹر قادری کو مبارک باد پیش کی کہ انھوں نے پروفیسر گوپی چند نارنگ جیسی مقبول و محترم شخصیت کو مدعو کر کے اس جلسے کو تاریخی بنادیا ہے۔

مہمان خصوصی پروفیسر گوپی چند نارنگ نے ڈاکٹر ایس۔ کے۔ قادری کی انتھک کوششوں اور ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی تقریر میں کہا کہ قادری صاحب کی شخصیت اپنی ذات میں ایک انجمن ہے۔ ایسی ہی شخصیتوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

فاؤنڈیشن کی جانب سے بطور نذرانہ عقیدت پروفیسر گوپی چند نارنگ اور پروفیسر سید صفی اللہ کو شال پیش کیے گئے۔ تقسیم اسناد کے بعد فاؤنڈیشن کے اعزازی کرسپانڈنٹ ڈاکٹر جی۔ ایس۔ ایم۔ پی۔ قادری نے شکریے کا فریضہ انجام دیا۔ شہ نشیں پر موجود مہمانوں میں ڈاکٹر پی۔ نثار احمد صدر، شعبہ عربی، فارسی و اردو، مدراس یونی ورسٹی، ڈاکٹر سید سجاد حسین، پروفیسر آف اردو، مدراس یونی ورسٹی، منصور صاحب، خازن مرتضویہ فاؤنڈیشن اور محمد اشرف صاحب کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جلسے سے پہلے پروفیسر گوپی چند نارنگ اور دیگر مہمانوں نے مرتضویہ فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام چلنے والے مختلف شعبوں کا معائنہ بھی کیا۔

(ڈاک سے)

اردو ذریعہ تعلیم کی اہمیت و افادیت مسلمہ

● حیدر آباد، 23/جنوری۔ انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر خلیق انجم نے اردو گھر مغل پورہ میں ایس ایس سی اردو میڈیم

کی فری کوچنگ کلاسیس میں زیرِ تعلیم طلبہ و طالبات سے خطاب کیا۔ یہ جماعتیں گذشتہ چھے سال سے انجمن ترقی اردو شہر حیدر آباد کی جانب سے چلائی جارہی ہیں۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے کہا کہ کل کا مسلمان علم و فضل کے اعتبار سے محترم و محتشم تھا۔ لیکن آج انھیں تعلیم سے دور کر کے پستی کی طرف ڈھکیلنے کی سازشیں کی جارہی ہیں۔ عام مسلمانوں اور خاص طور سے طالبِ علموں کو اس سازشی جال سے نکلنا ہوگا۔ انھوں نے انجمن ترقی اردو شہر حیدر آباد کی جانب سے چلائی جانے والی فری کوچنگ کلاسیس اور ان جماعتوں سے استفادہ کرنے والے طلبہ و طالبات کی کثیر تعداد کو دیکھ کر حیرت و مسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ جس محنت، لگن، خلوص، سلیقے اور مستقل مزاجی سے حیدر آباد میں یہ علمی کام کیا جارہا ہے اس کی مثال ہندستان کے کسی دوسرے شہر میں نہیں ملتی۔ ابتدا میں انجمن ترقی اردو شہر حیدر آباد کے صدر رائے منوہر راج سکسینہ نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں کوچنگ کلاسیس کی تفصیلات سے واقف کرایا۔ معتمد عمومی شہری انجمن جناب بشیر انور نے کہا کہ ایس ایس سی اردو میڈیم کی فری کوچنگ کلاسیس نہ صرف ان سے استفادہ کرنے والے طلبہ و طالبات کی تعداد کے لحاظ سے بلکہ نتائج کے معیار کے لحاظ سے سال بہ سال ترقی پذیر ہیں اور ہماری اس تحریک سے متاثر ہو کر حکومت بھی سرکاری مدارس میں کوچنگ کلاسیس کے آغاز پر مجبور ہوئی ہے۔ ریاستی انجمن ترقی اردو کے معتمد عمومی جناب محمد عبدالرحیم خاں اور شہری کمیٹی کے نائب صدر جناب جہاں دار افسر نے امید واروں کو قیمتی امتحانی نکتے سمجھائے۔ جناب سید فضل الحق رضوی انچارج کلاسیس نے رپورٹ پیش کی۔ مسٹر عظیم صابری خازن نے آخر میں شکریہ ادا کیا۔ (سیاست، حیدر آباد)

ادب کا ہر شعبۂ حیات سے گہرا تعلق

● حیدر آباد، 14 جنوری۔ حیدر آباد لٹریری فورم (حلف) کا ادبی اجلاس پروفیسر غیاث متین کی صدارت میں 11ر جنوری کی شام اردو ہال حمایت نگر میں منعقد ہوا۔ اردو کے نامور نقاد پروفیسر وارث علوی نے ''موجودہ ادبی منظر نامہ'' کے عنوان سے حیدر آباد کے دانشوروں، ادیبوں اور شاعروں کو مخاطب کیا۔ انھوں نے اپنے لکچر میں اردو ادب کی موجودہ صورت حال پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ادب کا زندگی کے ہر شعبۂ حیات سے گہرا تعلق ہے۔ لوک گیت اور لوک نثر پارے خاص طور پر مشقت کے احساس سے آزاد رہتے ہیں وہیں لوریاں ماں اور بچہ دونوں کو انبساط سے سرشار کرتے ہیں۔ ادب بھی لوک گیت اور لوک کہانیوں کی جڑوں سے چھوٹا اور روحانی، سماجی، تہذیبی اقدار کی روایت پر برقرار ہے۔ ادب کے کردار بھی حقیقی اشخاص کی طرح زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ہمارے ذہن کا حصہ بن جاتے ہیں جیسے منٹو کے کردار سوگندھی، بابو گوپی ناتھ، زین العابدین وغیرہ۔ کمیونزم کے زیر اثر لکھے جانے والے ادب نے عوام سے محبت کی، زندگی کے المیے اور طربیے اور آدمی کو جاننے کی کوشش کی لیکن ادھر پچاس برسوں سے ادب کا رشتہ زندگی سے ٹوٹ گیا اور قارئین ادب سے محروم ہو گیا کیوں کہ زیادہ تر ادب نظریہ ساز نقادوں کے نظریے کے وسیلے سے لکھا جارہا ہے اور پیری مریدی کا سلسلہ چل رہا ہے جبکہ نقاد سے اہم تخلیق کار ہوتا ہے۔ اچھی تنقید اچھی تخلیق کے بغیر ممکن نہیں۔ پروفیسر وارث علوی نے سعادت حسن منٹو کے دو افسانوں کے تجزیے سے ثابت کیا کہ وہ کیا وجوہ ہیں جن کی بنا پر آج بھی منٹو اپنے ہمعصر افسانہ نگاروں کے مقابلے میں زیادہ پڑھا جانے والا افسانہ نگار ہے۔ ابتدا میں پروفیسر بیگ احساس نے پروفیسر وارث علوی کا تعارف پیش کرتے ہوئے کہا کہ وارث علوی کے تنقیدی مضامین قدرے طویل ہوتے ہیں لیکن ان کی زبان شگفتہ اور اسلوب قاری کو پوری طرح گرفت میں لے لیتا ہے۔ وہ غیر روایتی نقاد ہیں۔ ان کے جملے شعر کی طرح دہرائے جاتے ہیں۔ پروفیسر غیاث متین نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ وارث علوی نے اپنے لکچر میں اتنے فنکاروں، کتابوں اور کرداروں کا ذکر کیا ہے کہ ان کا احاطہ کرنا اور ان پر بات کرنا ناممکن ہے۔ ان کی نظر انگریزی، اردو، فارسی کے علاوہ دیگر ادبیات پر گہری ہے۔ ڈاکٹر یوسف اعظمی، قدیر زماں، مصحف اقبال توصیفی، علی الدین نوید اور مظہر مہدی نے مباحث میں حصہ لیا۔ آرگنائزنگ سکریٹری حلف جناب مظہر مہدی نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ (منصف، حیدر آباد)

لکھنؤ میں اردو اسکرپٹ ریڈنگ مقابلہ

● لکھنؤ، اولڈ سٹی لکھنؤ کمپیوٹر سینٹر (اترپردیش اردو اکادمی قیصر باغ، لکھنؤ) میں ادبی و ثقافتی تنظیم شاہکار اور اکادمی آف ماس کمیونکیشن کے تعاون سے اردو اسکرپٹ ریڈنگ مقابلے کا اہتمام کیا گیا۔ اس مقابلے میں شرکت کی غرض سے یونی ورسٹی، ڈگری کالجز اور مختلف انسٹی ٹیوٹس کے 76 طالبِ علموں نے انٹری فارم داخل کیے تھے۔ ایک ٹیسٹ لے کر تیس طالبِ علموں کا انتخاب کیا گیا جنھوں نے اردو کہانیاں دلچسپ انداز میں پڑھ کر سنائیں۔ اوّل، دوم اور سوم مقام حاصل کرنے والی طالبات شبانہ رضوی (شیعہ گرلس ڈگری کالج) اوّل، فاطمہ خان (کرامت حسین مسلم گرلز ڈگری کالج) دوم، فرحہ حسیب (سابق طالبہ اولڈ سٹی لکھنؤ کمپیوٹر سینٹر) سوم کو بالترتیب ایک ہزار روپے، پانچ سو روپے اور تین سو روپے نقد انعام کے علاوہ مومنٹو اور سرٹی

سرٹیفکیٹ دیے گئے۔ پانچ طالب علموں کو حوصلہ افزائی کے انعامات دیے گئے۔

پروگرام کی صدارت سابق ریاستی وزیر، بانی صدر اتر پردیش اردو اکادمی اور اکادمی آف ماس کمیونیکیشن کی چیف پیٹرن بیگم حامدہ حبیب اللہ نے کی۔ سابق ممبر اسمبلی جناب محمد رفیع صدیقی مہمان خصوصی تھے۔ معروف افسانہ نگار ڈاکٹر بشیشر پردیپ، ڈراما ڈائرکٹر اور ٹی وی نیوز ریڈر ایس۔ اے۔ مہدی اور سکریٹری شاہکار جلال صدیقی نے جج کے فرائض انجام دیے۔

اس موقعے پر سبے پوریا انسٹی ٹیوٹ آف ماس کمیونیکیشن کے لیکچرر جناب ست ویر سنگھ نے کہانی پڑھنے کے فن پر ایک معلوماتی اور پر مغز لیکچر دیا۔ صدر جلسہ بیگم حامدہ حبیب اللہ نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک منفرد کار آمد پروگرام ہے۔ ایسی تقریبات کا انعقاد زبان اور ادب کے فروغ میں معاون ہوگا اور نوجوان طالب علموں کا حوصلہ بڑھے گا۔ انھوں نے اولڈ سٹی لکھنؤ کمپیوٹر سینٹر کو ممکنہ تعاون کا یقین دلاتے ہوئے کہا کہ میں یہاں کے مسائل کے سلسلے میں فکر مند ہوں اور صاحب حیثیت حضرات سے تعاون کی اپیل کرتی ہوں۔ انھوں نے سینٹر کے قیام پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے کمپیوٹر سینٹر قائم کرکے ایک ناقابل فراموش کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس مرکزی مقام پر کمپیوٹر سینٹر کے قیام سے غریب مسلمان بچوں کو جدید تعلیم حاصل کرکے روزگار کے بہتر مواقع ملیں گے۔ اردو زبان کی ترویج و ترقی کے لیے قائم کیے گئے دوسرے اداروں سے وابستہ افراد کو چاہیے کہ وہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی طرز پر کام کریں۔

مہمان خصوصی اور سابق ممبر اسمبلی جناب محمد رفیع صدیقی نے کہا کہ میں یہاں کی کارکردگی اور آپ کے جوش و جذبے سے بہت پر امید ہوں یقین ہے کہ آپ لوگ اسی رضاکارانہ جذبے کے ساتھ زبان و ادب کی ترقی کے لیے کوشاں رہیں گے۔ میں ہر قدم پر آپ کے ساتھ ہوں اور ہر ممکنہ تعاون کا یقین دلاتا ہوں۔

سینٹر انچارج محسن خان نے کہا کہ انتہائی محدود وسائل کے باوجود ہم نے اس پروگرام کا فیصلہ اس غرض سے کیا ہے کہ ہمارے سینٹر کے طلبہ و طالبات کو کچھ سیکھنے اور دوسرے کالجیز، انسٹی ٹیوٹس کے طالب علموں کے ساتھ مل بیٹھنے اور تبادلہ خیال کرنے کا موقع مل سکے۔ مسرت کی بات ہے کہ شہر کے تمام کالجوں اور انسٹی ٹیوٹس کے طالب علم خاصی تعداد میں اس پروگرام میں شریک ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ اکثر طالب علم اپنے مقاصد کی تکمیل اس لیے نہیں کرپاتے کہ انھیں اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے مواقع نہیں ملتے لہٰذا اس قسم کے پروگرام نہ صرف زبان و ادب کے فروغ کا ذریعہ ہیں بلکہ اس طرح طالب علموں کو اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے کا بھی موقع ملتا ہے۔ آخر میں جلال صدیقی سکریٹری شاہکار نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ نظامت کے فرائض محمد اکرم طالب علم اولڈ سٹی لکھنؤ کمپیوٹر سینٹر نے انجام دیے۔ (ڈاک سے)

ادارۂ ادبیات اردو کی سرگرمیاں

● حیدر آباد۔ ادارۂ ادبیات اردو اپنی مختلف ادبی، علمی، ثقافتی اور تہذیبی سرگرمیوں کے لیے ممتاز ہے۔ مختلف ریاستوں، ملک اور بیرون ملک سے اسکالر اور محبانِ اردو تشریف لاتے ہیں۔ 31/دسمبر 2001 کی صبح مسٹر ڈنزل بی انکن سن جو پارلیمنٹ میں بی جے پی کے رکن ہیں، تشریف لائے اور ادارے کا تفصیلی معائنہ کیا۔ معائنے کے بعد انھوں نے تحریری تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "میں ادارۂ ادبیات اردو آکر اپنی یادوں میں معلومات کا ایک خزانہ لیے جارہا ہوں۔" انھوں نے ادارے کے کمپیوٹر ٹریننگ سینٹر، کیلی گرافی کم گرافکس سینٹر، میوزیم، کتب خانے میں محفوظ مطبوعات اور مخطوطات کا بھی معائنہ کیا، ادارے کے شعبۂ امتحانات اور سب رس کتاب گھر کی کارکردگی کا بھی جائزہ لیا اور اپنی خوشنودی ظاہر کی۔ انھوں نے کہا کہ اس ادارے کی ترقی کا مجھ سے جتنا بھی بن پڑے گا مدد کروں گا۔ اس موقع پر پروفیسر جعفر نظام صدر ادارہ اور پروفیسر مغنی تبسم جنرل سکریٹری نے انھیں بتایا کہ یہ ادارہ 1931 میں پروفیسر زور اور ان کے ساتھیوں نے اردو زبان و ادب اور دکنی کلچر کو فروغ دینے کے لیے قائم کیا تھا۔ ادارے کے مختلف شعبوں میں سے ایک شعبہ اردو امتحانات کا ہے۔ ان امتحانات کو آندھرا پردیش گورنمنٹ اور تمام یونی ورسٹیاں تسلیم کرتی ہیں۔ اردو فاضل کامیاب امیدواروں کو بی اے اور بی کام میں داخلہ مل جاتا ہے۔ اسی طرح کمپیوٹر اور کیلی گرافی کی ٹریننگ پانے والے طلبہ کو روزگار کے مواقع فراہم ہوجاتے ہیں۔ اس موقع پر بی جے پی کے اقلیتی سیل اور ریاستی عاملہ کے رکن جناب ارشاد نواب، نصرت محی الدین معتمد انجمن ترقی پسند مصنفین اور ہندی کے شاعر اور روزنامہ ہندی ملاپ کے سب اڈیٹر سواد حسین بھی موجود تھے۔

● 2001 کی آخری شام 31/دسمبر 2001 کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی سینٹر ادارۂ ادبیات اردو کے کامیاب طلبہ و طالبات میں صدر ادارۂ ادبیات اردو پروفیسر جعفر نظام نے اسناد تقسیم کیں۔ انھوں نے تمام طالب علموں کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ علم اور فن کے حصول کے بعد سرٹیفکیٹ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہاں سے طالب علم کے کیریر کی ابتدا ہو رہی ہے اور

ضروری ہے کہ مکمل وابستگی، دلچسپی اور تمام تر کوششوں سے اپنے مقصد کو آگے بڑھایا جائے۔ پروفیسر مغنی تبسم نے کمپیوٹر کورس پر جامع معلومات فراہم کرتے ہوئے خوشخبری سنائی کہ مزید اڈوانس پیکیجز کے ساتھ یہ کورس دو سال کا کیا جائے گا اور سالِ اول کے کامیاب طالب علموں کو "اگنو" (اندرا گاندھی نیشنل یونی ورسٹی) کی طرف سے سالِ دوم میں داخلہ دیا جائے گا۔ پروفیسر مغنی تبسم نے طالب علموں کو مشورہ دیا کہ کسی کورس کی ابتدا ہو سکتی ہے مگر انتہا نہیں، اس لیے نت نئی معلومات کا حصول برقرار رکھنا چاہیے۔ کمپیوٹر کارپوریشن کے بانی اشہر فرحان نے اپنی تقریر میں کمپیوٹر کی اہمیت و ضرورت کو واضح کرتے ہوئے بتایا کہ اردو کمپیوٹر سیکھتے ہوئے کسی احساس کمتری کا شکار نہ ہونا چاہیے بلکہ مہارت حاصل کرتے ہوئے انگریزی زبان کی جانب بھی رجوع ہوں۔ کمپیوٹر کیلی گرافی ادبیات اردو کے سپروائزر جعفر جری نے جلسے کی کارروائی چلائی اور تمام طلبہ و طالبات اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ (ڈاک سے)

مدھیہ پردیش اردو اکادمی کے انعامات

● مدھیہ پردیش اردو اکادمی کی طرف سے جو اعزازات اردو ادب / صحافت کی گراں قدر خدمات کے اعتراف میں دیے جاتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

تخلیقی ادب کے لیے

1- میر تقی میر کل ہند اعزاز — 31000/-

2- حامد سعید خاں کل ہند اعزاز — 15000/-

3- سراج میر خاں سحر صوبائی اعزاز — 15000/-

4- سہا مجددی صوبائی اعزاز — 15000/-

5- محمد یوسف قیصر صوبائی اعزاز — 15000/-

6- باسط بھوپالی صوبائی اعزاز — 10000/-

7- محمد علی تاج صوبائی اعزاز — 10000/-

تحقیق اور تنقید کے لیے

8- نواب صدیق حسن خاں صوبائی اعزاز — 15000/-

9- شعری بھوپالی صوبائی اعزاز — 10000/-

تعلیمی خدمات کے لیے

10- کیف بھوپالی صوبائی اعزاز — 10000/-

(پرائمری میں اردو پڑھانے والے بہترین استاد کے لیے)

اعزاز

11- شمبھو دیال سخن صوبائی اعزاز — 10000/-

اردو صحافت کے لیے

12- حکیم قمر الحسن کل ہند اعزاز — 31000/-

(صحافت بشمول ادبی صحافت)

طنز و مزاح کے لیے

13- جوہر قریشی کل ہند اعزاز — 15000/-

کل ہند اعزازات ہندستان کے کسی بھی تخلیق کار / صحافی کو پیش کیے جاسکتے ہیں جس میں مدھیہ پردیش کے تخلیق کار / صحافی بھی شامل ہیں۔ صوبائی اعزازات صرف مدھیہ پردیش کے اردو فنکاروں کو دیے جائیں گے۔ مدھیہ پردیش کے اردو فنکاروں سے مراد صوبے کا باشندہ ہونے کے قانونی مجاز حضرات کے علاوہ ان اردو فنکاروں سے بھی ہے جنھوں نے اس صوبے کو اپنے تخلیقی و تحقیقی عمل کا مرکز بنایا ہو یا جو یہاں بس گئے ہیں۔

تعلیمی خدمات کا صوبائی اعزاز مدھیہ پردیش کے پرائمری اسکولوں میں اردو پڑھانے کے سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دینے کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ غیر اردو لسانی اعزاز اس فنکار کو دیا جائے گا جس کی مادری زبان اردو میں کوئی دوسری زبان تھی اور جس نے اردو کو اپنا کر قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ (ڈاک سے)

راجستھان اردو اکادمی کی جانب سے تقسیم انعامات

● جے پور، 17 جنوری راجستھان اردو اکادمی کے چیئرمین ڈاکٹر مدبر علی زیدی نے کہا کہ زندگی میں اصل چیز مقابلہ ہوتا ہے۔ انعامات سے زیادہ مقابلوں کی اہمیت ہوتی ہے۔ وہ یہاں 16 جنوری کی شب اکادمی کی جانب سے تقسیم انعامات برائے تعلیمی مقابلے کے موقعے پر سوچنا کیندر جے پور میں انعامات لینے آئے بچوں سے مخاطب تھے۔ پروگرام کا افتتاح کرتے ہوئے شاعر اور ادیب جناب شین کاف نظام نے کہا کہ اردو ایک ایسی زبان ہے جسے شہنشاہوں نے ایجاد کیا اور فقیروں نے اپنایا۔

اس پروگرام میں خوش خطی کا پہلا انعام پرائمری سطح پر رحمانیہ ماڈل اسکول کی صبا پروین، دوسرا انعام مفید عام مڈل اسکول کی یاسمین بانو اور تیسرا انعام گورنمنٹ مڈل اسکول کی سلمہ پروین کو دیا گیا۔ غزل سرائی کا پہلا انعام اسما بانو آہنگر ان اسکول، دوسرا انعام فرحانہ بانو گاندھی مڈل اسکول اور تیسرا انعام محمد رضوان آہنگر ان اسکول کو دیا گیا۔ مضمون نگاری میں پہلا انعام

ریحانہ سلطانہ، دوسرا انعام سیدہ نور الصباح اور تیسرا انعام رحیلہ خاتون کو دیا گیا۔ بیت بازی میں پہلا انعام مہارانی کالج دوسرا انعام مسلم گرلز اسکول اور تیسرا انعام رحمانیہ ماڈل اسکول کو دیا گیا۔ اس پروگرام کی صدارت شاہ اکرام الدین صدر کانگریس جے پور شہر نے فرمائی۔ مہمان خصوصی کمشنر سینٹرل ایکسائز اینڈ کسٹمز ٹی ایچ غوری، مہمان اعزازی سعید احمد خاں جوائنٹ ڈائرکٹر نیوز ڈی پی آر تھے۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

مہاراشٹر اردو اکادمی کا سمینار

● مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کی جانب سے علاقہ کوکن میں مہاراشٹر ہائی اسکول و جونیر کالج چپلون ضلع رتناگری میں 19رجنوری کی صبح گیارہ بجے ایک سمینار کا انعقاد کیا گیا۔ سمینار کے پہلے جلسے میں بزرگ شاعر جناب عارف سیمابی کو اکادمی کی جانب سے سنہ 2000-2001 کا سراج اورنگ آبادی انعام پیش کیا گیا۔ مغل اقبال اختر کو جنھیں 99-1998 کے لیے اکادمی کی جانب سے درس و تدریس کا انعام پیش کیا گیا ہے اور علاقہ کوکن کے ابھرتے ہوئے نوجوان شاعر رفیق دتا جنھیں سنہ 2000-2001 کا ساحر لدھیانوی ایوارڈ پیش کیا گیا ہے، ان تینوں انعام یافتگان کی خدمت میں مہمان خصوصی جناب اشرف دلوائی کے ہاتھوں شالیں پیش کی گئیں۔ تقریب کے اس حصے کی صدارت جناب محمد حسین پرکار نے کی اور عارف سیمابی کے فن اور شخصیت پر ایک مضمون پیش کیا۔ اکادمی کے ایگزیکیٹو آفیسر وقار حسن قادری نے مہمانوں کا استقبال کیا۔

تقریب کے دوسرے حصے میں "اردو افسانے کی صورت حال" کے موضوع پر مذکورہ کالج کے لیکچرار رحمان عباس نے بھرپور روشنی ڈالی اور پروگرام کی نظامت کی۔ معین الدین جینابڑے نے اپنی کہانی "بھول بھلیاں"، مقدر حمید نے "بائرس زدن" اور سلام بن رزاق نے "چادر" نامی کہانیاں پیش کیں۔ سمینار کے اس حصے کی صدارت سلام بن رزاق نے کی۔ خصوصی مہمانوں میں کالج کے چیئرمین جناب اسماعیل وانگڑے اور جناب ابراہیم جیلی شامل تھے پرنسپل جناب مغل اقبال اختر کے شکریے پر سمینار کا اختتام ہوا۔ (ڈاک سے)

بہار اردو اکادمی کا سمینار

● پٹنہ، 11رفروری۔ بہار اردو اکادمی کے زیر اہتمام منعقدہ "21ویں صدی میں اردو کے روبرو چیلنج" کے موضوع پر سمینار کا افتتاح ادیب و صحافی اور ریاست کے وزیر زراعت جناب غلام سرور نے کیا۔ جلسے کی صدارت وزیر اقلیتی فلاح، قانون اور توانائی و کارگزار صدر بہار اردو اکادمی جناب شکیل احمد خاں نے کی۔ بہار کی وزیر اعلا محترمہ رابڑی دیوی نے اپنے ارسال کردہ پیغام میں کہا "اردو بہار کی دوسری سرکاری زبان ہے اور حکومت اس کی ترقی کے لیے پابند عہد ہے۔ اردو ہندی دو سگی بہنیں ہیں اس لیے اردو کو کسی بھی سطح پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے کہا کہ ہماری سرکار اردو کو اس کا حقیقی مقام دینے کی کوشش کر رہی ہے۔" محترمہ رابڑی دیوی کا پیغام اردو اکادمی کے سکریٹری ڈاکٹر رضوان احمد نے پڑھ کر سنایا۔

اپنے کلیدی خطبے میں جناب غلام سرور نے کہا کہ ان کی باتیں اردو عوام کی تلخ معلوم ہو سکتی ہیں لیکن حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اردو تعلیم مسلسل روبہ زوال ہے۔ اردو آبادی مایوسی اور قنوطیت کا شکار ہے۔ اردو صحافت مسلسل زوال آمادہ ہے۔ ان سب کے باوجود بھی اگر ہم مشاعرے منعقد کر کے واہ واہ کریں تو ہمیں اپنے حالات پر افسوس ہی کرنا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ اردو اسکولوں میں پڑھائی نہیں کے برابر ہو رہی ہے۔ اردو ذریعہ تعلیم ختم سی ہو کر رہ گئی ہے۔ ایسے میں بھلا اردو کی ترقی کا کیا کام ہو سکتا ہے۔

وزیر قانون اور اقلیتی فلاح جناب شکیل احمد خاں نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا کہ وہ خود اردو تحریک سے وابستہ رہے ہیں لیکن آج غلام سرور صاحب نے اردو آبادی کے روبرو جو سوالات رکھے ہیں وہ بہت ہی چشم کشا ہیں۔ ایسے میں اگر ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں گے تو آنے والی نسل ہمیں معاف نہیں کرے گی۔

بہار اردو اکادمی کے سکریٹری ڈاکٹر رضوان احمد نے شکریے کی تجویز پیش کرتے ہوئے کہا کہ آئندہ دو دنوں تک سمینار کے بعد جو تجاویز سامنے آئیں گی انھیں اردو آبادی کے سامنے رکھا جائے گا اور اس کے ذریعے ایک لائحۂ عمل مرتب کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ (ڈاک سے)

اردو کی ترویج و ترقی کے لیے سنجیدہ کوششیں ضروری

● نئی دہلی، 18رجنوری اردو شاعری نے ہمارے ملک کے جانبازوں میں ایک ایسا ولولہ اور حوصلہ پیدا کیا تھا کہ انھوں نے اپنی جان کی پروا کیے بغیر جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یوم جمہوریت کے مشاعرہ جشن جمہوریت کا افتتاح کرتے ہوئے دہلی کے لیفٹیننٹ گورنر جناب وجے کپور نے یہ خیال ظاہر کیا۔ جشن جمہوریہ کے اس مشاعرے کی صدارت جناب گلزار زتشی نے کی۔ اس موقعے پر وزیر اعلا دہلی مسز شیلا دکشت نے کہا کہ اردو زبان اور خاص طور سے اس کی شاعری ہمارے کانوں میں رس گھولتی ہے۔

ہمیں اس زبان کی ترویج و ترقی کے لیے سنجیدگی سے کوشش کرنی چاہیے۔ دہلی کے وزیر خوراک و رسد ہارون یوسف اور دہلی اقلیتی کمیشن کے چیئرمین جناب ظفر علی نقوی نے اردو اکادمی دہلی کے کاموں کو سراہا اور کہا کہ اکادمی دہلی والوں کے شعری و ادبی ذوق کی تسکین کے لیے جو کام کرتی ہے وہ محض تفریح کا باعث نہیں ہیں بلکہ ان سے زبان کی مقبولیت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ اکادمی کے وائس چیئرمین جناب الطاف احمد اعظمی نے مہمانوں اور ملک کے طول و عرض سے آئے ہوئے شعرا کا خیر مقدم کیا۔ نظامت کے فرائض پروفیسر ملک زادہ منظور احمد نے انجام دیے۔ شرکت کرنے والے شعرا ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

گلزار دہلوی، بیکل اتساہی، رفعت سروش، قیصر الجعفری، ساغر خیامی، وسیم بریلوی، بشیر بدر، شفیع ساغر، ملک زادہ منظور، وقار مانوری، منور رانا، نسیم نکہت، راہی شہابی، نصرت گوالیاری، معراج فیض آبادی، انور ندیم، پاپولر میرٹھی، رئیس انصاری، شبنم نقوی، ولی بجنوری، منظر بھوپالی، تابش مہدی، شاہد صدیقی سحر، ونیش درپن، جاوید عرشی، طاہر فراز، عفت زریں، شمس رمزی، صالحین فہمی، شاہد انور اور متین امروہوی وغیرہ۔ (قومی آواز، دہلی)

کل ریاستی سمینار و مشاعرۂ شاعرات

● بنگلور، 22/ جنوری، "خواتین دیگر شعبہ جات کی طرح ادب میں بھی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں خاص ملکہ رکھتی ہیں، بشرطیکہ انھیں مواقع فراہم کیے جائیں۔ جنوبی ہند کی خواتین نے جو کچھ اردو ادب کو دیا ہے وہ شمالی ہند کی خاتون قلمکاروں سے کم نہیں ہے۔" ان خیالات کا اظہار ڈاکٹر فہمیدہ بیگم سابق صدر کرناٹک اردو اکادمی نے اپنے افتتاحی خطبے میں کیا۔ موصوفہ نے شیخ جاگیر کلا بھون ہال میں کرناٹک اردو اکادمی بنگلور کے زیر اہتمام 20/ جنوری 2002 کو منعقدہ کل ریاستی سمینار بعنوان "اردو ادب میں جنوبی ہند کی خواتین کا حصہ" اور مشاعرہ برائے خواتین کا افتتاح کیا۔ مہمانِ خصوصی ڈاکٹر لئیق صلاح سابق صدر اکادمی نے اکادمی کی جانب سے پہلی بار خواتین کے سمینار و مشاعرے کے انعقاد پر خوشنودی کا اظہار کیا۔ دوسری مہمانِ خصوصی ڈاکٹر اشرف رفیع سابق صدر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ نے کہا کہ "دکن کو کئی شعبوں میں امتیاز حاصل ہے۔ یہ بات بھی قابل فخر ہے کہ پہلی صاحب دیوان شاعرہ کا تعلق بھی دکن سے ہے۔" صدر اجلاس جناب وہاب عندلیب نے کہا کہ "ہمارے لیے سب سے اہم مسئلہ اردو زبان کی بقا و تحفظ کا ہے۔ زبان کے وجود پر ہی ادب کی ترویج و اشاعت کا دارومدار ہے۔ اردو کی تعلیم و ترویج کے سلسلے میں خواتین اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔" ابتدا میں ایچ شنکر پا رجسٹرار اکادمی نے مہمانوں اور سامعین کا خیر مقدم کیا۔ ڈاکٹر جہاں آرا بیگم رکن اکادمی نے نظامت کے فرائض انجام دیے اور شکریہ ادا کیا۔

سمینار میں جنوبی ہند کے حوالے سے فہمیدہ بیگم نے "خاتون محققین"، ڈاکٹر لئیق صلاح نے "خاتون طنز و مزاح نگار"، ڈاکٹر اشرف رفیع نے "حیدر آباد کی افسانہ نگار خواتین"، ڈاکٹر جہاں آرا بیگم نے "کرناٹک اور تامل ناڈو کی افسانہ نگار خواتین"، ڈاکٹر مہ نور زمانی بیگم نے "تنقید نگار خواتین" اور ڈاکٹر حلیمہ فردوس نے "ناول نگار خواتین" کے عنوان پر اپنے مقالات پیش کیے، جنھیں سامعین نے بے حد پسند کیا۔ ڈاکٹر حلیمہ فردوس نے مقالہ نگاروں کا تعارف کروایا اور نظامت کے فرائض انجام دیے۔

شام کو محترمہ حسنیٰ سرور (میسور) کی صدارت میں کل ریاستی مشاعرے کا آغاز ہوا، جس میں میمونہ تسنیم (ہاسن)، ثمینہ تاج (ہاسن)، اختر جہاں اختر (ہاسن)، ڈاکٹر صغریٰ عالم (گلبرگہ)، ڈاکٹر اشرف رفیع (حیدر آباد)، مہ جبیں (میسور)، شہوار بیگم (کولار)، شفیق پروین (بنگلور)، نجمہ خانم نرگس (بنگلور)، شہناز بانو شاہین (چکمگلور)، ریحانہ بیگم (بیدر) اور کے شریفہ (ہری ہر) نے اپنی غزلوں سے سامعین کو مستفید کیا۔ محترمہ مہ جبیں نجم نے مشاعرے کی نظامت کے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیے۔
(ڈاک سے)

رضا لائبریری رام پور میں مشاعرۂ جشن جمہوریت

● رام پور، 27/ جنوری۔ جشن جمہوریت کے موقعے پر رضا لائبریری میں ایک کل ہند مشاعرہ جناب آنند موہن زتشی گلزار دہلوی کی صدارت اور سید شکیل غوث کی نظامت میں ہوا۔ مشاعرے کی مہمان خصوصی ضلع مجسٹریٹ مونیکا ایس گرگ اور مہمان عزیز پریم پرکاش کپتان پولس کا استقبال کرتے ہوئے رضا لائبریری کے افسر بکار خاص ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی نے کہا کہ 1998 کے بعد رضا لائبریری کوئی بڑا مشاعرہ منعقد نہیں کر سکی تھی لیکن ایک تاریخی دن یہ کل ہند مشاعرہ اس بات کی علامت ہے کہ ہم ملک میں قومی یک جہتی کو فروغ دینے کے لیے خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔ رات دس بجے شروع ہونے والا مشاعرہ موذن کی اذان پر صبح چھ بجے اختتام پذیر ہوا۔ حالانکہ بارش تھی مگر سامعین سے ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ مشاعرے میں شرکت کرنے والے شعرا کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

ضیا عنایتی، تنویر سحری، حسن اقبال، سردار بلی سنگھ چیما، افتخار طاہر، حبیب سوز، عتیق آفریدی، وقار الحسن صدیقی، طاہر فراز، مونس بریلوی، مرتضیٰ فرحت، تنویر وصفی، رئیس رام پوری، شہنشاہ صابری، رئیس انصاری،

وسیم بریلوی، ہوش نعمانی، رفعت سروش، شہریار، مخمور سعیدی، شوق اثری، شبیر علی خاں شکیب، گلزار دہلوی۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں مشاعرہ جشنِ جمہوریت

● علی گڑھ، 28 رجنوری۔ یوم جمہوریہ کے مبارک موقعے پر علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے شعبہ اردو کے زیر اہتمام ایک مشاعرے کا اہتمام کیا گیا جس کی صدارت وائس چانسلر جناب محمد حامد انصاری نے کی۔ اس موقع پر شعبۂ اردو کے صدر پروفیسر اصغر عباس نے شرکا کا استقبال کرتے ہوئے کہا کہ اردو کی ترویج و اشاعت میں سر سید تحریک کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ اس موقعے پر وائس چانسلر نے علی گڑھ میگزین کا اجرا کیا۔ اس خواتین نمبر کی ادارت نوید انجم نے انجام دی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ارمغان سرور کا بھی اجرا کیا گیا۔ ڈاکٹر محمد زاہد نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔

آرٹس فیکلٹی کے ڈین پروفیسر زیدی جعفر رضا نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ مشاعرے میں پروفیسر ساجدہ زیدی، پروفیسر زاہدہ زیدی، زدیا زیدی، سرفراز خالد، رضوان الرضا، عابدہ کہکشاں، معراج رعنا، عابد علی عابد، رسول ساقی، سراج اجملی، ناصر شکیب، ڈاکٹر معظم، احتشام اختر، فرحت احساس، شہاب الدین ثاقب، مجتبیٰ حیدر نقوی، اسعد بدایونی، ش۔ م۔ اشرف، منظور ہاشمی اور انجمن آرا انجم نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔

(قومی آواز، دہلی)

اردو زبان کی ترقی و ترویج میں صحافت کا رول

● حیدر آباد، 2 رفروری۔ ایڈیٹر روزنامہ ''سیاست'' جناب زاہد علی خاں نے آج 11 بجے دن دفتر ''سیاست'' میں اردو کے ایک معتبر خبر رساں ادارے پریس میڈیا کے ''لوگو'' کی رسم اجرا انجام دی۔ اس موقعے پر انھوں نے پریس میڈیا کے ایڈیٹر جناب نجف علی شوکت کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ پہلا اردو خبر رساں ادارہ ہے جو پرنٹ میڈیا کے ساتھ ساتھ الکٹرانک میڈیا بھی چلائے گا۔ زاہد علی خاں نے کہا کہ خبروں کی بروقت ترسیل، قارئین کے دلوں میں اتر جانے والی تحریر، واقعے کی حقیقی عکاسی کے علاوہ صحافیوں کو اس طرح منظر کشی کرنا چاہیے کہ قارئین یہ محسوس کریں کہ وہ مقامِ واردات پر کھڑے سب کچھ اپنی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ بانی انجمنِ معصومین جناب میر صابر علی اور صدر وقف بورڈ اسٹاف ایسوسی ایشن جناب نقی عسکری والا بھی اس موقع پر موجود تھے۔ جناب میر صابر علی نے کہا کہ پرنٹ میڈیا سے الکٹرانک میڈیا تک پریس میڈیا کے اقدام لائقِ ستائش ہیں۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ اگر اس ادارے سے وابستہ صحافیوں میں دلچسپی، جستجو، لگن اور ان میں معیار کو بلند کرنے کا جذبہ موجود ہو تو یہ ادارہ بہت جلد ترقی کے زینے طے کرے گا۔ جناب سید محمد رضا زیدی نے ہمہ لسانی پرنٹ میڈیا سے الکٹرانک میڈیا میں تبدیل ہونے پر جناب نجف علی شوکت سے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ سٹی کیبل کے نیوز ریڈر جناب تقی عسکری والا نے کہا کہ صحافت میں پریس میڈیا کے ایڈیٹر جناب نجف علی شوکت کی خدمات لائق تحسین ہیں کیوں کہ ان میں دریا کو کوزے میں بند کرنے کا جوہر بدرجہ اتم موجود ہے۔ (سیاست، حیدر آباد)

بہار میں اردو اساتذہ کی خالی آسامیاں

● پٹنہ، 19 رجنوری۔ بہار قانون ساز کونسل کے چیئرمین پروفیسر جابر حسین نے گزشتہ 5 برسوں سے بہار کے سیکنڈری اسکولوں میں اردو اساتذہ کی بحالی کے عمل کے معطل رہنے پر تشویش ظاہر کی ہے اور تقرر کے سلسلے میں محکمہ جاتی کارروائی کو تیز کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

پروفیسر حسین کی صدارت میں محکمہ جاتی افسران کے ساتھ منعقدہ ایک تجزیاتی نشست میں یہ بات سامنے آئی کہ ریاست کے کل 2533 سرکاری ہائی اسکولوں میں اردو اساتذہ کے 2185 عہدے منظور ہیں جن میں سے 514 عہدے خالی ہیں۔ برسوں سے خالی ان عہدوں پر تقررات نہ ہونے کے سبب تقریباً 1500 اسکولوں میں اردو کی پڑھائی متاثر ہے۔

پروفیسر جابر حسین نے اردو کے ساتھ ساتھ دیگر زبانوں اور سانیات سے متعلق سبجیکٹوں میں بھی اساتذہ کی کمی پر تشویش ظاہر کی اور ان سبجیکٹوں کے خالی عہدوں پر بھی تقرر کی ضرورت پر زور دیا۔

محکمۂ تعلیم کے سینئر افسران کے ساتھ تبادلۂ خیال میں پروفیسر حسین نے پٹنہ کی ایک تنظیم اردو مرکز عظیم آباد کے ذریعے حال ہی میں کیے گئے ایک اہم سروے کے نتیجوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اردو آبادی اردو پڑھنے کی خواہاں ہے لیکن اسکولوں میں اردو اساتذہ کی کمی کے سبب وہ اردو کی پڑھائی سے محروم ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ اردو مرکز کے سروے نتائج کی تصدیق سرکاری اعداد و شمار بھی کرتے ہیں۔ محکمہ جاتی افسران نے یقین دہانی کرائی کہ وہ اس سلسلے میں حائل تمام رکاوٹوں کو دور کر کے بحالی کے عمل کو جلد ہی ممکن بنائیں گے۔ (قومی تنظیم، پٹنہ)

میکش اکبر آبادی تقریبات

● آگرہ کی ادبی انجمن ''بزمِ میکش'' کے زیر اہتمام گزشتہ 23 دسمبر 2001 کو ایک پُر وقار تقریب میں جناب خواجہ حسن ثانی نظامی (دہلی) اور

ڈاکٹر خلیق انجم جنرل سیکریٹری، انجمن ترقی اردو ہند (نئی دہلی) کو میکش ایوارڈ سال 2001 سے سرفراز کیا گیا۔ ایوارڈ آف آنر سماجی و فلاحی خدمات کے لیے آگرہ کے ڈاکٹر لطافت علی خاں کو دیا گیا۔

اس سال "بزمِ میکش" کی جانب سے میکش اکبر آبادی صدی تقریبات کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس میلے کا پہلا پروگرام 27/ اگست 2001 کو یادِ سیماب اکبر آبادی کے تحت "سیماب اکبر آبادی" ایوارڈ جناب اصغر اکبر آبادی کو دیا گیا تھا۔ 17/ ستمبر 2001 کو "ہوش اکبر آبادی ایوارڈ" جناب خلش اکبر آبادی کو دیا گیا۔ تیسرے پروگرام میں 13/ اکتوبر 2001 کو "عالم فتحپوری ایوارڈ" جناب اسرار اکبر آبادی کو دیا گیا۔ "بزمِ میکش" کی صد سالہ تقریبات کا آخری ایوارڈ "دلگیر شاہ اکبر آبادی ایوارڈ" 10/ نومبر 2001 کو جناب پیرزادہ عمر تیموری کو دیا گیا تھا۔

اس موقع پر نسرین بیگم کی تحریر کردہ کتاب "جوش ملیح آبادی کی نثری خدمات" کا اجرا بھی ڈاکٹر خلیق انجم کے ہاتھوں ہوا۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی سالانہ امتحانات میں اردو مضمون کے ساتھ اوّل/ دوم/ سوئم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ و طالبات کو "بزمِ میکش" کی طرف سے سند اور انعامات دیے گئے۔ تقسیم ایوارڈ کے بعد "میکش اکبر آبادی فن اور شخصیت" پر سمینار منعقد ہوا۔ مقالہ نگاروں میں ڈاکٹر خوشحال زیدی (دہلی) جناب کلام احمد (آگرہ) اور نسرین بیگم (آگرہ) شامل تھے۔ پروگرام کی صدارت بزم کے صدر حکیم سید مرغوب الزماں نے کی۔ مہمانِ خصوصی جناب ایس مظفر حسین، ایڈیشنل ڈسٹرکٹ و سیشن جج، آگرہ تھے۔

(ڈاک سے)

دفتر تلگو دیشم پارٹی میں اردو کا خصوصی میڈیا سیل

● حیدرآباد، 11/ جنوری۔ ریاست کے مختلف اضلاع میں ایک عرصے سے اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ اس کے باوجود، سرکاری اور پارٹی کی سطح پر اردو اخبارات کی کلپنگ اور ان اخبارات میں شائع ہونے والے مسائل و موضوعات پر صرف محدود عمل ہوتا رہا۔ لیکن بلدی انتخابات کے احوال، سیاسی جماعتوں کی سرگرمیوں و موضوعات جو اردو اخبارات میں شائع ہوتے ہیں ان پر نظر رکھنے تلگو دیشم پارٹی صدر دفتر میں اردو کا ایک خصوصی میڈیا سیل قائم کیا گیا۔ تلگو دیشم پارٹی کے دفتر پر شہر سے شائع ہونے والے اردو اخبارات اب منگوائے جا رہے ہیں۔ اردو میڈیا سیل کے لیے ایک پبلک ریلیشن آفیسر (اردو) کا تقرر کیا گیا ہے۔ دریں اثنا چیف منسٹر مسٹر این چندرابابو نائیڈو کی سکریٹریٹ میں واقع پیشی کے لیے اردو پبلک ریلیشن آفیسر کا تقرر کیا جارہا ہے۔ سکریٹریٹ کے ذرائع کے مطابق چیف منسٹر کے دفتر پر بھی اردو اخبارات کی مستقلاً ترسیل اور اردو کا علاحدہ شعبہ قائم کیا جائے گا۔ (سیاست، حیدرآباد)

مرکز ادب و سائنس میں انڈکشن میٹ پروگرام

● رانچی۔ اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونی ورسٹی، نئی دہلی کے تحت چل رہے مرکز ادب و سائنس کے اگنو اسٹڈی سنٹر میں تیسرے انڈکشن میٹ کا پروگرام مرکز کے اگنو ہال میں 5/ جنوری 2002 کو ساڑھے دس بجے دن منعقد ہوا۔ مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شری رام ٹہل چودھری ممبر پارلیمنٹ نے شرکت کی۔ دوسرے معزز مہمانوں میں شری سی، آر، لاہا، سابق وائس چانسلر رانچی یونی ورسٹی، جناب محمد کمال خاں، چیئرمین اقلیتی کمیشن، حکومت جھارکھنڈ، اگنو ریجنل سنٹر رانچی کے ڈائرکٹر شری وی پی روہم شامل تھے۔ پروگرام کی صدارت جناب سی۔ آر لاہا نے کی۔ پروگرام کا آغاز اسٹڈی سنٹر کے کوآرڈینیٹر جناب طارق سجاد نے کیا۔ اس کے بعد BCA اور MCA کے کونسلر شری مکل پریئے درشی نے اگنو کے BCA، CIC اور MCA کورس کی اہمیت اور افادیت پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی۔ ٹرسٹ کے چیئرمین پروفیسر احمد سجاد نے ٹرسٹ کو درپیش مسائل کو مہمانوں کے سامنے رکھا اور ان سے اس ٹرسٹ کے ماتحت چلنے والے انسٹی ٹیوٹ کی مزید میں مدد کی اپیل کی۔ جناب رام ٹہل چودھری نے حصولِ تعلیم میں اساتذہ اور طالبِ علموں کے درمیان بہتر تعلقات پر روشنی ڈالی۔ کمال خاں صاحب نے جھارکھنڈ کی اقلیتوں کے تعلیمی مسائل کو سدھارنے میں تعاون دینے کا وعدہ کیا۔ پروگرام کے صدر جناب سی۔ آر لاہا نے اگنو کی کارکردگی اور ٹرسٹ کے تعلیمی اقدام کو سراہتے ہوئے کہا کہ یہ ٹرسٹ رانچی شہر میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کی تعلیم میں اہم رول ادا کر رہا ہے۔ (ڈاک سے)

مختصرات

● نئی دہلی، 2/ فروری۔ اوپلین کی ایک پریس ریلیز کے مطابق معروف قانون داں، اقلیتی کمیشن کے سابق چیئرمین اور دہلی یونی ورسٹی میں قانون کے پروفیسر ڈاکٹر طاہر محمود کی طبع زاد اور ترجمہ کردہ دو درجن سے زیادہ کتابوں کی نمائش کل نئی دہلی میں ختم ہوئی۔ یہ نمائش پورے ایک ماہ چلی اور کئی سفارت کاروں، معروف صحافیوں اور ماہرینِ تعلیم نے یہ نمائش دیکھی۔ پروفیسر طاہر محمود کی دو کتابیں ہندو لاء پر بھی ہیں جو عدالتوں میں مستند تسلیم کی جاتی ہیں اور حوالوں کے کام آتی ہیں۔ اوپلین کے چیئرمین قیصر

محمود نے پریس ریلیز میں بتایا ہے کہ ان میں بعض کتابیں انگریزی میں اور بعض اردو میں ہیں۔ اردو میں ان کی کتابیں مسلم پرسنل لا کے تحفظ کا مسئلہ، مسلم قانون کے اصول، حیات محمود اور شعری مجموعہ دل کی حکایتیں اور تقریروں کا مجموعہ جرأت رندانہ شامل ہیں۔

● نئی دہلی، 21/ جنوری۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ اردو میں گزشتہ دنوں دو غیر ملکی اردو اسکالروں الازہر یونی ورسٹی مصر میں اردو کے استاد عامر یوسف اور تاشقند یونی ورسٹی، ازبکستان میں اردو کی استاد محترمہ محیا عبدالرحمان کے اعزاز میں استقبالیہ تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ اس موقع پر مسٹر عامر یوسف نے شعبے سے اپنی دیرینہ وابستگی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اسی شعبے کی دین ہے کہ آج میں الازہر یونی ورسٹی میں اردو کا استاد ہوں۔ محترمہ محیا عبدالرحمان نے اپنے خطاب کے دوران بتایا کہ آج اردو ازبکستان کی بے حد مقبول زبان ہے اور تاشقند یونی ورسٹی کے علاوہ ملک کے کئی دیگر اسکولوں کے نصاب میں اردو زبان و ادب شامل ہے۔ 1965 میں غالب کے دیوان کا ازبک زبان میں "شیدا" کے نام سے ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ آج سے تقریباً 30 سال قبل اقبال کی شاعری اور علی سردار جعفری، منٹو، کرشن چندر وغیرہ پر بھی تحقیق کا کام ہو چکا ہے۔ انھوں نے غالب کے اشعار ازبک زبان میں سنائے۔ پروفیسر شمیم حنفی نے اظہار تشکر کرتے ہوئے مہمان اسکالروں کو آئندہ بھی تشریف لانے کی دعوت دی۔ اس موقعے پر ڈین فیکلٹی آف ہیومینیٹیز پروفیسر ضیاء الحسن ندوی، صدر شعبۂ اردو قاضی عبیدالرحمان ہاشمی اور بزم جامعہ کے آڈوائزر ڈاکٹر شہپر رسول کے علاوہ بڑی تعداد میں اساتذہ طلبہ و طالبات موجود تھے۔

● علی گڑھ، 29/ جنوری۔ بزم ادب خواتین کی ایک ادبی نشست مرحوم خلیل الرحمان اعظمی کے گھر پر اردو باغ میں منعقد ہوئی جس میں خواتین کے سالانہ جریدے "بزم ادب" کی رسم اجرا بیگم حامدہ مسعود کے ہاتھوں سے انجام پائی۔ حامدہ مسعود نے اراکین بزم کے اس قدم کی ستائش کی اور کہا کہ قلمکار خواتین آج کل کے مسائل پر گہری نظر رکھتی ہیں اور اس کا اظہار اپنے سالانہ جریدے میں اپنی تخلیقات سے کرتی ہیں۔ علی گڑھ اور بیرون علی گڑھ کی قلمکار خواتین کا یہ آئینہ دار ہے۔ یہ نشست سال نو کی پہلی نشست تھی جس میں عید ملن اور سال نو کی مبارک باد بھی خواتین نے ایک دوسرے کو دی۔ حامدہ مسعود، ضیا رشید، کہکشاں خاں، جبیں شاہد، آصف اظہار اور انجمن آرا انجم نے اپنے مضامین اور نظمیں پیش کیں۔ نشست کو خوشگوار موڑ دیتے ہوئے روحی رخشندہ نے معروف شعرائے کرام کی غزلیں مترنم آواز میں پیش کیں۔ آخر میں مہمانوں کا شکریہ بزم کی سکریٹری راشدہ خلیل نے ادا کیا۔ اس نشست میں حلقہ علم و ادب کی معتبر خواتین نے شرکت کی۔

● نئی دہلی، 17/ جنوری۔ چین فار پیس کے زیر اہتمام آج دہلی یونی ورسٹی کے کنونشن ہال میں کل ہند مشاعرہ و کوی سمیلن کا انعقاد کیا گیا جس میں اردو اور ہندی کے شاعروں نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ یونی ورسٹی کے طلبہ کی اچھی تعداد اس موقع پر کنونشن ہال میں موجود تھی۔ مشاعرے کی نظامت ملک زادہ منظور احمد نے جبکہ کوی سمیلن کی نظامت کے فرائض وینیش رگھونشی نے انجام دیے۔ جن شعرا نے اپنا کلام پیش کیا۔ ان میں منظر بھوپالی، راشد انور راشد، کوثر مظہری، مولا بخش، شہپر رسول، عفت زریں، احمد صغیر، اور طارق چھتاری شامل تھے۔ کوی سمیلن میں شامل ہونے والوں میں راجندر راجا، کنور بے چین وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

● ضلع کڈپہ، کملاپورم (منڈل)، 12/ جنوری 2002۔ ضلع کڈپہ (اے پی) کملاپورم منڈل اپر پرائمری اُردو اسکول میں اُردو ٹی۔ سی۔ سینٹر کے زیر اہتمام 12/ جنوری 2002 کو آرگنائیزر پی۔ دادا پیر خاں اور سید شکیل احمد کی نگرانی میں "الوداعی و تہنیتی جلسہ" منعقد ہوا۔ سید شکیل احمد نے مہمانوں کا تعارف اور استقبال کیا۔ مہمانوں کی گلپوشی اُردو اساتذہ نے کی۔ جلسے کے صدر جناب میسور اریڈی نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا کہ اس گاؤں میں اُردو مدارس ترقی کی طرف گامزن ہیں۔

خصوصی مہمان محی الدین پیراں سابق ٹی۔ اے سینئر سکریٹری کڈپہ نے کہا کہ کسی بھی مدرسے کی کارکردگی اور معیار تعلیم کا انحصار اُس کے اساتذہ پر ہوتا ہے۔ اساتذہ کی قابلیت اور دلچسپی اور والدین کا تعاون ہو تو وہ اسکول ہمیشہ ترقی کی راہ پر گامزن رہے گا۔ اعزازی مہمان محترمہ سرسواتما منڈل پریسڈنٹ کملاپورم نے کہا کہ اسکول کی ترقی اور اردو زبان کے فروغ کے لیے ان کی جانب سے بھرپور تعاون رہے گا۔ اسکول کے لیے انھوں نے 2000 روپے عطیہ دینے کا اعلان کیا۔

سوشل اسسٹنٹ محمد حسین نے کملاپورم اسکولوں کی تاریخ اور اردو اساتذہ کی خدمات کا اعتراف کیا اور اسکول کے لیے انھوں نے اپنی جانب سے گوڈریج ٹیبل بطور تحفہ دی۔ مدرسہ منیرا صاحبہ نے 500 روپے، گاؤں کی معزز شخصیت محمد قاسم صاحب نے -/516 روپے ڈونیشن دینے کا اعلان کیا۔

● گزشتہ دنوں مشہور شاعر اور ادیب جناب مخمور سعیدی ایک آل انڈیا مشاعرے میں شرکت کے لیے آئے تو سرونج میں "سہ ماہی انتساب" سرونج کی جانب سے ایک جلسہ ان کے اعزاز میں رکھا گیا جس میں ایڈیٹر انتساب سیفی سرونجی نے "انتساب" کا مخمور سعیدی نمبر شائع کرنے کا اعلان کیا اور ڈاکٹر مختار شمیم نے ایک انٹرویو ریکارڈ کیا۔ ڈاکٹر مختار شمیم کے علاوہ اس

نشست میں ڈاکٹر شاہد میر، ڈاکٹر شان فخری، ڈاکٹر مفتی محمود، عبدالحفیظ عارف، عبدالصبور خاں اور آصف سرونجی نے بھی شرکت کی۔ 11 بجے انجمن ترقی اردو کے صدر محمد توفیق صاحب کی رہائش پر مخمور سعیدی کے اعزاز میں ایک پروگرام رکھا گیا جس میں کافی اہلِ ذوق حضرات نے شرکت فرمائی اور 13 رجنوری مخمور سعیدی کے نام ایک یادگار دن قرار دیا گیا۔

● مرحوم حاجی محمد یوسف راسخ بیکانیری (1978-1906) راجستھان کے ممتاز شاعروں میں سے ایک تھے۔ حضرت بیخود دہلوی کے ارشد تلامذہ میں شامل ہو کر داغ اسکول کے معتبر رکن رہے۔ راسخ کا ذکر بطور ایک شاعر اور خادم اردو "جائزۂ زبانِ اردو" میں جو بابائے اردو مولوی عبدالحق نے 1940 میں شائع کیا تھا، موجود ہے۔ ان کا کچھ کلام "اوراقِ پریشاں" کے عنوان سے 1936 میں لاہور سے شائع ہوا تھا۔ اب ان کا پورا کلام "کلیاتِ راسخ" شائع ہو گیا ہے۔

● کانپور۔ ممتاز شاعر حضرت نشور واحدی کی انیسویں برسی (یوم وفات 4رجنوری 1983) کے موقع پر ادبی تنظیم القاضی کے زیرِ اہتمام ایک مجلس مذاکرہ و مشاعرہ ترتیب دی گئی۔ مجلس مذاکرہ کی صدارت جناب نامی انصاری نے اور مشاعرے کی صدارت جناب قیوم ناشاد نے کی۔

تعارفی کلمات ادا کرتے ہوئے ناظم جلسہ مولانا قمر شاہجہانپوری نے کہا کہ نشور واحدی اپنے طرز کے منفرد شاعر تھے اور ان کی ذات ہمارے شہر ادب کانپور کے لیے باعث فخر و امتیاز تھی۔ القاضی کے صدر قاضی محمد جنید نے کہا کہ نشور واحدی نے اس عہد میں نہ صرف غزل کی آبرو رکھی بلکہ مشرقی تہذیبی روایات کی پاسبانی کے فرائض بھی انجام دیے۔ جناب عشرت ظفر نے اپنے مقالے میں کہا کہ نشور کا کلام جلال و جمال کا خوشنما پیکر اور حسن و عشق کے رموز و نکات کا آئینہ ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری سے ایک طویل عرصے تک پوری اردو دنیا کو متاثر اور خوش اوقات کیا۔ صدر جلسہ جناب نامی انصاری نے کہا کہ نشور صاحب اعلا درجے کی تخلیقی توانائی سے معمور ایک ایسے شاعر تھے جن کا کلام آج بھی تازہ اور شگفتہ معلوم ہوتا ہے۔ ان کے فلسفیانہ افکار کا پر مغز اظہار ان کے دورِ آخر کی نثری تحریروں میں بھی خوب ہوا ہے۔ انھوں نے فارسی زبان میں بھی کچھ نظمیں لکھی ہیں جو اپنی دلکشی اور رعنائی کے سبب خاص اہمیت کی حامل ہیں۔

اس موقعے پر نشور واحدی کے بارے میں ایک یادگاری مجلے کی رسم اجرا جناب مصباح الحق ایڈوکیٹ نے انجام دی اور اختتامی کلمات خورشید الرحمن حنفی نے کیے۔

اس کے بعد بزم مشاعرہ منعقد ہوئی جس میں حضرات قیوم ناشاد، عشرت ظفر، سحر صدیقی، قمر شاہجہانپوری، شکیب رضوی، شاعر فتحپوری، احتشام صدیقی، خلش نیازی، مشیر صدیقی، مصطفےٰ فراز، اسلم محمود، پرویز ادیب، ممتاز احمد ممتاز، کلیم کانپوری، راہی کانپوری، معروف کاکناتی، معید بیتاب اور حسیب الہ آبادی نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔

● اُردو کے ممتاز مزاح نگار رضا نقوی مرحوم کی وفات پر حلقہ ادب جھارکھنڈ کے زیرِ اہتمام 20رجنوری 2002 کو دفتر انجمن ترقی اردو جھارکھنڈ میں ایک تعزیتی نشست منعقد کی گئی جس کی صدارت پروفیسر ابوذر عثمانی نے کی۔ اس نشست میں رانچی کی معروف ادبی شخصیتوں اور اردو زبان و ادب کے شیدائیوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی اور واہی مرحوم کی خدمات اور کارناموں کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ نظامت کے فرائض ڈاکٹر وکیل احمد رضوی سکریٹری حلقہ ادب نے انجام دیے۔

پروفیسر ابوذر عثمانی نے ابتدا میں مرحوم کی زندگی اور شاعری پر اجمالا روشنی ڈالی اور یہ بتایا کہ مرحوم سنجیدہ اور مزاحیہ دونوں قسم کا کلام کہتے تھے۔ تاہم ان کو اصل امتیاز ایک مزاحیہ شاعر کی حیثیت سے حاصل ہے۔ دوسرے شرکا میں مجیب الرحمان بزمی، سمیع اللہ شفق، تہذیب الحسن رضوی، شریف احسن مظہری، قمر الحسن اور بانکے بہاری ہمدم نے بھی واہی مرحوم کی شخصیت اور فن پر مجمل انداز میں اظہار خیال اور اس ضمن میں کچھ اہم اور بامعنی اشارے کیے۔

● بزم قلم کار گیا کی ایک خصوصی نشست بتاریخ 10رجنوری بوقت 5 بجے شام زیرِ صدارت ڈاکٹر محفوظ الحسن ہوئی جس میں اردو کے بے مثل مزاح نگار رضا نقوی واہی کی موت پر انتہائی رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ ڈاکٹر حسین الحق نے رضا نقوی واہی کی خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ غنی حیدر صاحب نے رضا نقوی واہی کی مختلف نظموں کے حوالے سے ان کے فن کی خصوصیات پر روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر شکیل علائی نے واہی صاحب کی دو نظمیں سنائی۔ سید احمد قادری نے رضا نقوی واہی کے ساتھ گزرے ہوئے دو پر لطف لمحات کا ذکر کیا۔ آخر میں صدر جلسہ ڈاکٹر محفوظ الحسن صدر شعبہ اردو مگدھ یونی ورسٹی بودھ گیا نے واہی صاحب کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔

رسم اجرا

جہاندار افسر حیات اور خدمات

● حیدرآباد، 3رفروری۔ جسٹس سردار علی خاں سابق صدر نشین قومی اقلیتی کمیشن نے کہا کہ شہر حیدرآباد کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ باکمال شخصیتوں سے آباد رہا جن کی صلاحیتوں نے نہ صرف ریاست اور اندرون ملک بلکہ بیرون ملک اپنا اعتراف کرایا۔ ایسی ہی شخصیتوں میں جناب جہاندار

افسر کی شخصیت بھی شامل ہے۔ جسٹس سردار علی خاں آج اردو گھر مغل پورہ میں جناب موسیٰ اقبال کے تحقیقی مقالے "جہاں دار افسر۔ حیات اور خدمات" جس کو کتابی شکل دی گئی ہے، کی تقریب رسم اجرا سے مخاطب تھے۔ صدارت ممتاز قانون داں جناب خواجہ محی الدین ایڈوکیٹ سپریم کورٹ نے کی اور محترمہ زینت ساجدہ نے اس کتاب کا اجرا کیا۔ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ نے کہا کہ جہاندار افسر ایک شاہی خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود اپنی نوجوانی میں ہی بائیں بازو کی تحریک سے وابستہ ہوگئے۔ ڈاکٹر زینت ساجدہ نے کہا کہ آج ہماری نئی نسل اپنے اسلاف کی تاریخ سے دور ہوتی جارہی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نوجوانوں اور آنے والی نسلوں کو اسلاف کی تاریخ سے واقف کروایا جائے۔ انھوں نے جہاندار افسر کی ادبی، صحافتی، سیاسی اور سماجی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔ پروفیسر مغنی تبسم نے کہا کہ ان سے جہاندار افسر سے 60 سالہ دیرینہ تعلقات ہیں۔ جہاندار افسر نے آصف جاہی خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود جاگیردارانہ نظام کے خلاف آواز بلند کی۔ انھوں نے جناب موسیٰ اقبال کی کتاب "جہاندار افسر۔ حیات اور خدمات" پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اس میں جہاندار افسر کی زندگی اور خدمات کے ہر پہلو کا دور بینی سے جائزہ لیا گیا ہے۔ رائے منوہر راج سکسینہ نے جناب جہاندار افسر عوامی جمہوری محاذ اور اس کے بعد متحدہ شہری کمیٹی سے وابستہ رہے۔ وہ سنہ 1956 تا 1960 مغلپورہ بلدی ڈویژن سے مجلس بلدیہ حیدرآباد میں بحیثیت کونسلر نمائندگی کرتے رہے۔ جہاندار افسر ممتاز اردو شاعر صفی اورنگ آبادی مرحوم کے تلامذہ میں سے ہیں۔ پروفیسر بیگ احساس نے بھی جلسے کو مخاطب کیا۔ جناب جہاندار افسر نے کہا کہ آصفجاہی دور میں صاحبزادوں کو بھی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں جن میں صف اول کے مجاہدین آزادی میں مبارز الدولہ بھی شامل تھے۔ جناب خواجہ محی الدین ایڈوکیٹ نے اپنی صدارتی تقریر میں جناب جہاندار افسر کی سماجی، ادبی، سیاسی اور تہذیبی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے انھیں خراج تحسین پیش کیا۔ اس تقریب کو مسز نصرت محی الدین، عبدالرحیم خاں نے بھی خطاب کیا۔

طریقۂ تعلیم اردو

● بیگوسرائے، 7 رجنوری۔ اردو اساتذہ سرکاری ملازم کی جگہ خادم بن کر اردو تعلیم کے لیے خدمت کریں تو پس ماندہ ہوچکی اردو زبان کا فروغ ممکن ہوسکے گا۔ اردو والوں کو اردو کو نئی سمت دینے کے لیے کو متحد ہو کر تحریک چلانا ہوگی۔

مذکورہ خیالات کا اظہار بیگوسرائے خواتین ٹیچرس ٹریننگ کالج میں شمیم الحق کی کتاب "طریقۂ تعلیم اردو" کا اجرا کرتے ہوئے سابق سکریٹری مدرسہ بورڈ جناب نورالہدیٰ نے کیا۔ "طریقۂ تعلیم اردو" کے مصنف جناب شمیم الحق نے کہا کہ ابتدائی اور ثانوی اسکولوں کے معلموں کے لیے جو تربیتی تعلیمی ادارے ہیں ان میں اردو علاقائی زبان یا اختیاری مضمون کی شکل میں پڑھائی جاتی ہے۔ دیگر مضامین کے طریق تعلیم کے موضوع پر بہت ساری کتابیں ہیں لیکن اردو میں ایسی کتابیں موجود ہیں جو نصاب کے مطابق اردو ٹیچرس ٹریننگ اسکول کالج کے طلبہ کی ضرورتوں کے پیش نظر لکھی گئی ہیں۔ راقم کی یہ کوشش اسی کمی کو دور کرنے کی جانب ایک قدم ہے۔ تعلیمی نفسیات، عمرانیات اور لسانیات کے اصولوں کے مدنظر رکھتے ہوئے زبان کی تعلیم کے سلسلے میں ہونے والی جدید تحقیقات اور رجحانات سے استفادہ کرتے ہوئے یہ کوشش کی گئی ہے کہ اردو کے طریقہ تعلیم میں ان کا صحیح، مناسب اور سودمند استعمال ہو۔

تقریب کی صدارت کرتے ہوئے جناب سید امام حسین صدر و پروفیسر شعبۂ کیمیا، جی ڈی کالج بیگوسرائے نے کہا کہ "طریقۂ تعلیم اردو" نئی روشنی ہے بلکہ اردو کے فروغ کی حقیقی کتاب ہے۔ (ڈاک سے)

اوراقِ ہستی

● قمر کہکشانی کے شعری مجموعے "اوراقِ ہستی" کی رسم اجرا کرتے ہوئے قاضی محی الدین (سابق وزیر یوپی) نے کہا کہ اردو کی ترویج و اشاعت میں حصہ لینا ہمارا اوّلین فرض ہے۔ پروفیسر داس (پرنسپل ایس ڈی اے کالج) نے کہا کہ اردو میری مادری زبان ہے اور مجھے اس پر فخر ہے۔ سلیم خاں صاحب ایڈمنسٹریٹر درگاہ صابریہ کلیر شریف نے کہا کہ اردو کے لیے ہم سب کو مل کر کچھ کرنا چاہیے۔ بعد میں ظہیر اختر مدیر "شمع خیال" کی صدارت میں مشاعرہ منعقد ہوا جس میں مظفر رزمی کیرانوی، انور تاباں، تمنا جمالی، حفیظ روڑکوی، مہندر سنگھ تیاگی دیوانہ، تنویر چشتی، راشد جمال فاروقی، عبداللہ راہی، قمر کہکشانی، گوہر صدیقی، انیس میرٹھی، سنل اتسو مظفر نگری، رفعت مصور، قیوم بسمل، زکریا گوہر، سیم فاروقی وغیرہ نے اپنے کلام سے نوازا۔
(ڈاک سے)

"دستخط" رباعی نمبر

● 30 دسمبر 2001 کی شام مسلم انسٹی ٹیوٹ کلکتہ کے زیر اہتمام دو ماہی "دستخط" رباعی نمبر کی رسم اجرا جناب قیصر شمیم کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ جلسے کی صدارت جناب علقمہ شبلی نے کی اور نقابت کے فرائض جناب عاصم شہواز شبلی نے انجام دیے۔

پروفیسر منصور عالم نے تقریب کا افتتاح کرتے ہوئے رسالے کے مدیر اور مرتب کے کام کی ستائش کی۔ ان کے بعد جناب کلیم حاذق نے مدیر

"دستخط" اختر بارک پوری کو رباعی نمبر کی اشاعت پر مبارک باد پیش کی اور رباعی سے متعلق چند اہم گوشوں پر اظہار کیا۔ جناب سلیمان خورشید نے مقالہ پڑھا۔ جناب انیس رفیع نے اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے کہا کہ نئی نسل نے رباعی کو بالکل اس طرح سے نظرانداز کیا ہے جس طرح سے کوئی پرانے فرنیچر کو اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دے اور اس کی جگہ سنمایکا اور پلاسٹک وغیرہ استعمال کرے لیکن جو اہلِ نظر ہیں ان کی نظر میں اسی پرانے فرنیچر کی اہمیت ہے جس طرح سے پرانے لوگوں کے دلوں میں رباعی کی اہمیت ہے۔

جناب قیصر شمیم نے کہا کہ اختر بارک پوری نے "رباعی نمبر" شائع کر کے رباعی سے متعلق بحث کے دروازے وا کر دیے ہیں۔ جناب علقمہ شبلی نے اپنے صدارتی کلمات میں کہا کہ اختر بارک پوری نے "رباعی نمبر" پیش کر کے ایک کارنامہ انجام دیا ہے اور وہ داد تحسین کے مستحق ہیں۔

(ڈاک سے)

وفیات

آلِ احمد سرور

● اردو کے بزرگ نقاد، ادیب، شاعر اور علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے سابق صدر پدم بھوشن پروفیسر آلِ احمد سرور کا 8/ مئی کی رات کو دہلی میں انتقال ہو گیا۔ ان کی عمر نوے برس تھی۔ پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ ایک بیٹی اور دو بیٹے ہیں۔ وہ دہلی میں بیٹی کے پاس ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔ رات تقریباً دس بجے تک وہ ہشاش بشاش تھے اور گھر والوں سے گفتگو کر رہے تھے۔ بعد میں انھوں نے بات چیت بند کر دی اور رات تقریباً دو بجے ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے۔ ان کی میت رات ہی میں علی گڑھ لے جائی گئی اور 9/ فروری کو بعد نمازِ عصر ساڑھے پانچ بجے انھیں سپرد خاک کیا گیا۔ ان کی وفات کے ساتھ اردو میں تنقید و تحقیق کا پورا ایک دور اور دانشوری کی ایک زندہ روایت ختم ہو گئی۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی نے جو مایۂ ناز شخصیتیں دنیا کو دی ہیں، پروفیسر آلِ احمد سرور کا نام ان میں نمایاں ترین ہے۔

سرور صاحب 9/ ستمبر 1912 کو بدایوں میں پیدا ہوئے تھے۔ پیلی بھیت، غازی پور اور آگرہ میں تعلیمی مدارج طے کرنے کے بعد اکتوبر 1932 میں جب اُن کی عمر بیس سال تھی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں داخلہ لیا اور علی گڑھ میگزین کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ 1933 میں وہ یونی ورسٹی کی طلبہ یونین کے نائب صدر منتخب ہوئے۔ وہ اسٹاف ایسوسی ایشن کے صدر، ایس ایس ہال کے پرووسٹ، آرٹس فیکلٹی کے ڈین اور ایکزیکیٹو کونسل نیز یونی ورسٹی کے رکن بھی رہے۔ 1990 سے وہ یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں پروفیسر ایمریٹس کے عہدے پر فائز تھے۔ انھوں نے متعدد ملکی اور غیر ملکی کانفرنسوں میں اردو کی نمائندگی کی اور اسی سلسلے میں امریکہ، برطانیہ، رومانیہ، ہنگری، کناڈا، جرمنی، اٹلی اور ماسکو کا سفر کیا۔ انجمنِ ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے بھی انھوں نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔

سرور صاحب کی تصنیفات کی تعداد ایک درجن سے متجاوز ہے۔ ان کی اہم تصانیف میں "نئے اور پرانے چراغ" "تنقید کیا ہے"، "ادب اور نظریے"، "مسرت سے بصیرت تک"، "عرفانِ اقبال"، "اقبال اور ان کا فلسفہ"، "اقبال، نظریہ اور شاعری"، "جدید دنیا میں اسلام" اور "اردو میں دانشوری کی روایت" شامل ہیں۔ ان کی آپ بیتی "خواب باقی ہیں" 1991 میں شائع ہوئی تھی۔ شعر گوئی سے انھیں اوائلِ عمری سے شغف تھا جو آخر تک باقی رہا۔ ان کا ایک شعری مجموعہ "سلسبیل" کے نام سے 1933 میں شائع ہوا تھا۔

سرور صاحب صحافت سے بھی وابستہ رہے۔ علی گڑھ میگزین کی ادارت کے بعد 1950 میں وہ انجمن ترقی اردو (ہند) کے علمی جریدے سہ ماہی "اردو ادب" کے ایڈیٹر ہوئے اور انجمن کے ہفت روزہ ترجمان "ہماری زبان" کے بھی مدیر رہے۔

سرور صاحب کو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے بانی سر سید احمد خاں سے گہری عقیدت تھی۔ انھوں نے سر سید کے بارے میں پھیلائی جانے والی بعض غلط فہمیوں کی پرزور اور مدلل تردید کی۔ وہ اس عام خیال سے متفق نہیں تھے کہ سر سید انگریزوں کے آلۂ کار تھے اور ان کا مشن مسلمانوں کو غیر ملکی حاکموں کا مطیع و فرماں بردار بنانا تھا۔ سرور صاحب کا خیال تھا کہ سر سید صرف اتنا چاہتے تھے کہ مسلمان مغرب کی علمی فتوحات کی طرف سے آنکھیں بند کر لینے کی بجائے ان سے کسبِ فیض کریں۔

سرور صاحب کو کئی ملکی اور غیر ملکی اعزازات سے نوازا گیا۔ "اقبال، نظریہ اور شاعری" پر انھیں صدرِ پاکستان کی جانب سے طلائی تمغہ پیش کیا گیا۔ انھیں غالب مودی ایوارڈ، یوپی اردو اکادمی ایوارڈ، دلی اردو اکادمی ایوارڈ اور ساہتیہ اکادمی ایوارڈ بھی پیش کیے گئے۔ 1992 میں حکومتِ ہند کی جانب سے پدم بھوشن کے اعزاز سے نوازا گیا۔

سید امین الحسن رضوی

● ممتاز صحافی، دانشور اور ماہر قانون، سابق ایڈیٹر ریڈینس سید امین الحسن رضوی کا 5/ فروری کو بنگلور میں انتقال ہو گیا۔ وہ 77 برس کے تھے۔ مرحوم ایک کیس کی پیروی کے لیے دہلی سے جنوبی ہند گئے ہوئے تھے اور

تین روز قبل مدراس سے بنگلور پہنچے تھے کہ اچانک ان کو دل کی تکلیف محسوس ہوئی فوراً ہی مقامی اسپتال میں داخل کرادیا گیا جہاں صبح ساڑھے چھ بجے وہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

مرحوم مسلم پرسنل لاء بورڈ کے فعال رکن تھے اور 15 سال تک بورڈ کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ اسلام اور اسلامی قوانین سے متعلق ان کی 8 کتب منظر عام پر آچکی ہیں۔ ان کو مسلم پرسنل لاء پر مکمل عبور حاصل تھا۔ ان کے مضامین مختلف اخبارات و جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ انھوں نے مسلم یونی ورسٹی کے اقلیتی کردار کی بحالی کی تحریک میں اہم رول ادا کیا تھا۔ علاوہ ازیں بھاگل پور تحقیقاتی کمیشن میں انھوں نے مسلمانوں کی پیروی کی تھی۔

سید امین الحسن رضوی نے 1945 میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے بی اے کیا تھا اور 1948 میں عثمانیہ یونی ورسٹی سے قانون کی ڈگری لے کر چند سال تک رائچور (کرناٹک) میں وکالت کرنے کے بعد اپنی طبیعت کے اصلی میلان سیاست و صحافت کے زیر اثر وکالت ترک کر کے بیرون ملک چلے گئے اور یورپ، ترکی، افغانستان اور پاکستان کی سیاحت کی۔ واپس آکر پہلے تو تقریباً تین سال جماعت اسلامی ہند کے مشیر قانونی رہے۔ پھر 1977 سے 1985 کے اواخر تک انگریزی ہفت روزہ Radiance کے ایڈیٹر رہے اور اس دوران انھوں نے انڈونیشیا سے لے کر لیبیا تک متعدد ممالک کا دورہ کیا۔ ایمرجنسی میں انھوں نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ پسماندگان میں اہلیہ، دو بیٹیاں اور سات بیٹے ہیں۔

ڈاکٹر سلامت اللہ

● نئی دہلی، ممتاز ماہر تعلیم ڈاکٹر سلامت اللہ کا 23 جنوری 2002 کو دہلی میں ان کی رہائش گاہ پر انتقال ہو گیا۔ وہ 90 برس کے تھے۔ پس ماندگان میں بیوہ کے علاوہ تین بیٹے اور چار بیٹیاں شامل ہیں۔ ان کی تدفین جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قبرستان میں ہوئی۔ ڈاکٹر سلامت اللہ کا شمار قومی سطح کے ماہرین تعلیم میں ہوتا تھا۔ وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ تعلیم معماروں میں سے ایک تھے۔ انھوں نے اردو اور انگریزی میں تعلیم سے متعلق مختلف موضوعات پر درجنوں کتابیں لکھی ہیں۔

خار دہلوی

● نئی دہلی، 31 جنوری۔ دہلی کی ممتاز ادبی شخصیت حضرت خار دہلوی کا آج ممبئی میں 88 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ ان کا پورا نام پنڈت رتن موہن ناتھ زتشی خار دہلوی تھا۔ وہ حضرت زار دہلوی کے فرزند اور نواب سائل مرحوم کے شاگرد تھے۔ حضرت سائل دہلوی داغ دہلوی کے شاگرد رشید اور ان کی روایت کے امین تھے۔ جو خار دہلوی اور ان کے چھوٹے بھائی گلزار زتشی دہلوی کے ذریعے دور حاضر تک پہنچتی ہے۔ وہ حضرت داغ دہلوی کی ٹکسالی زبان، سادگی، سلاست اور نزاکت خیال کی تابناک شمع کی حیثیت رکھتے تھے۔ خوش خلقی، خوش پوشی، وضعداری، اور گنگا جمنی مشترکہ تہذیب کے علمبردار تھے۔ ان کا قدیم مکان پرانی دہلی کے بازار سیتارام علاقے میں تھا۔ ممبئی میں وہ اپنی اکلوتی بیٹی کے پاس مقیم تھے کہ مختصر علالت کے بعد وفات پاگئے۔

ہیرانند سوز

● بزرگ شاعر، ادیب، افسانہ نگار جناب ہیرانند سوز کا فرید آباد (ہریانہ) میں طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔ وہ اسّی برس کے تھے اور کئی ماہ سے علیل تھے۔

ہیرانند سوز میانوالی (پاکستان) میں پیدا ہوئے اور تقسیم وطن کے وقت ہندستان آگئے۔ سوز صاحب اردو کے بے لوث مخلص اور ممتاز خادم کی حیثیت سے فرید آباد میں اردو کی شمع جلاتے رہے اور ادبی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ ان کے دو افسانوی مجموعے "ساحل سمندر اور سیپ" اور "کاغذ کی دیوار" شائع ہو کر مقبول ہوئے ان کے دو شعری مجموعے "جنگل جنگل شہر" اور "سورج میرے تعاقب میں" بھی منظر عام پر آئے۔

سوز مرحوم انتہائی منکسر المزاج تھے ان کے اہل خانہ کی اطلاع کے مطابق ان کی وفات 7 جنوری کو ہوئی اور 8 جنوری کو وہ سپرد آتش کیے گئے۔

ظہیر کیفی امروہوی

● 14 جنوری کو اردو کے معروف افسانہ نگار ظہیر کیفی امروہوی کا دہلی میں انتقال ہو گیا۔ وہ 62 برس کے تھے۔ ان کی تدفین 15 جنوری کو ان کے آبائی وطن امروہہ (یوپی) میں عمل میں آئی۔ وہ تقریباً ایک سال سے کینسر میں مبتلا تھے۔ پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ ظہیر کیفی کے افسانوں کا پہلا مجموعہ "سکوت" کے نام سے گزشتہ سال شائع ہوا تھا۔ وہ 1958 سے افسانے لکھ رہے تھے اور ان کے افسانے اردو اخبارات اور رسائل میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ ان کی پیدائش 1940 میں امروہہ کے ایک متوسط گھرانے میں ہوئی تھی۔ دہلی کے متعدد اخبارات و رسائل میں انھوں نے کام کیا تھا اور آخری دنوں میں وہ ماہنامہ شمع میں ملازمت کر رہے تھے جو ایک سال پہلے بند ہو چکا ہے۔ ان کے افسانوں میں عصری زندگی کے سیاسی، مذہبی، معاشرتی، نفسیاتی، جنسیاتی پہلوؤں کا مشاہدہ نظر آتا ہے۔

قیصر سلطانپوری

●اردو کے مشہور شاعر جناب قیصر سلطانپوری کا یکم جنوری 2002 کو سلطانپور میں انتقال ہوگیا۔ موت کے وقت ان کی عمر 76 سال تھی۔ وہ کئی مہینوں سے بیمار تھے۔ مرحوم کے پس ماندگان میں ایک لڑکی اور پانچ لڑکے ہیں۔ قیصر سلطانپوری 1926 میں موضع جیتاپور ضلع سلطانپور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ 1950 میں باقاعدہ شاعری شروع کی اور اسی سال حضرت شاعر کلکتوی کے تلامذہ میں شامل ہوئے۔ وہ برسوں تک بزم شاعری سے منسلک رہے۔ کلکتہ میں ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد اپنے آبائی وطن سلطانپور چلے گئے تھے۔

ساوتری دیوی

●اردو کے ممتاز شاعر اور محقق آنجہانی کالی داس گپتا رضا کی اہلیہ محترمہ ساوتری دیوی کا 15/جنوری 2002 کی شب میں انتقال ہوگیا۔ آخری رسوم 16/جنوری کو ادا کی گئیں۔ 20/مارچ 2001 کو کالی داس گپتا رضا مرحوم اس جہانِ فانی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوئے اور ابھی ان کے انتقال کو پورا ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ ساوتری دیوی بھی انتقال کر گئیں۔ مرحومہ بہت نیک، شریف النفس اور خوش اخلاق خاتون تھیں اور اردو لب و لہجے کی حامل تھیں۔

□□□

कौमी काउन्सिल बराए फ़रोग़—ए उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

Ministry of Human Resource Development, Department of Secondary and Higher Education, Government of India
West Block-1, R.K. Puram, New Delhi-110 066.
Tel . 6103938, 6103381, 6179657 Fax : 6108159 E-mail : urducoun@ndf.vsnl.net.in

نوٹ:- طلبہ واساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجرانِ کتب کو حسبِ ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

انتخاب غزلیات میر

ڈاکٹر حامدی کاشمیری

میر تقی میر کی شاعری کا منظر نامہ شخصی زندگی کی حدوں کو سمیٹتا ہوا ایک آفاقی انسانی صورت حال کو ابھارتا ہے جس میں سایوں اور روشنیوں کی ایک طلسمی دنیا آباد ہے۔

دوسری اشاعت

255 صفحات — قیمت: 62 روپے

اردو کی کہانی

سید احتشام حسین

بچوں کی تعلیمی ضروریات نیز تعلیم بالغاں کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اس طرح لکھی گئی ہے کہ اردو زبان و ادب کی تاریخ ابتدا سے موجودہ دور تک ایک تسلسل کے ساتھ سامنے آجائے۔ کتاب میں اہل قلم کی 61 تصویریں بھی ہیں۔

دوسرا ایڈیشن

104 صفحات — قیمت: 21 روپے

امریکی ادب کا مختصر جائزہ

ڈاکٹر سلامت اللہ خاں

انیسویں صدی سے امریکہ میں ایسا ادب تخلیق ہو رہا ہے جو اپنی بعض خصوصیات میں دوسرے ممالک کے انگریزی ادب سے مختلف ہے۔ اس کتاب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ امریکی ادب کے تاریخی اور ثقافتی سیاق و سباق کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے۔

دوسرا ایڈیشن

192 صفحات — قیمت: 52 روپے

اردو ادب کی سماجیاتی تاریخ

پروفیسر محمد حسن

ادبی سماجیات ایک نئے علم کی حیثیت سے حال ہی میں سامنے آئی ہے۔ یہ کتاب اردو میں ادبی سماجیات کے مطالعے کی پہلی کوشش ہے جو اس کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔

پہلی اشاعت

334 صفحات — قیمت: 98 روپے

اردو ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں ترسیل و ابلاغ کی زبان

ڈاکٹر کمال احمد صدیقی

مصنف برسوں تک آل انڈیا ریڈیو میں ذمے دارانہ عہدوں پر رہے ہیں، انھوں نے باریک بینی کے ساتھ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی زبان پر گفتگو کی ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے قلم کاروں کے لیے یہ کتاب خصوصی افادیت رکھتی ہے۔

پہلی اشاعت

646 صفحات — قیمت : 200 روپے

اردو ڈراموں کا انتخاب

مرتب: پروفیسر محمد حسن

1947ء سے 1990 تک اردو میں لکھے جانے والے ڈراموں کا ایک نمائندہ انتخاب جن میں تاریخی، نیم تاریخی، سماجی اور سراسر تمثیلی ڈرامے بھی شامل ہیں۔ ابتدا میں فاضل مرتب نے ڈرامے کے فن اور اس کی روایت پر بھرپور گفتگو کی ہے۔

پہلی اشاعت

600 صفحات — قیمت: 156 روپے

تبصرہ و تعارف

قدیم ہندستان کی ثقافت و تہذیب تاریخی پس منظر میں

مصنف : ڈی ڈی کو سمبی، مترجم : بال مکند عرش ملسیانی

319 صفحات، -/73 روپے

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

مبصر: ملک راشد فیصل

ایک مورخ کا فرض نہ تو ماضی سے عشق کرنا ہے اور نہ ماضی سے خود کو آزاد کر لینا بلکہ حال کی تفہیم کے لیے اس کو ایک کنجی قرار دے کر اس کو سمجھنا اور اس پر عبور حاصل کرنا ہے۔ عظیم تاریخ اس وقت لکھی جاتی ہے جب مورخ کے سامنے ماضی کا پھیلا ہوا نظارہ حال کے مسائل میں اتر جانے والی بصیرت سے منور ہو جائے۔ تاریخ کا کام یہ ہے کہ ماضی و حال کے ایک عمیق تر ادراک کو ان کے باہمی تعلق کے ذریعے پروان چڑھائے۔ زیر تبصرہ کتاب کے مصنف نے تاریخ کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے

"تاریخ نام ہے پیداوار کے ذرائع و روابط کی مسلسل تبدیلیوں کے اس تذکرے کا جو ترتیب زمانی کے ساتھ پیش کیا جائے۔"

مندرجہ بالا تعریف سے تاریخ میں ثقافت کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ہندستانی ثقافت کا تسلسل ہندستانی تاریخ کی کڑیوں کو جوڑتا ہے اور مصنف کے مطابق یہی اس کی اہم ترین خصوصیت ہے۔ ہندستانی کلچر نے دوسرے ملکوں پر کیا اثرات قائم کیے، یہ اور اس طرح کے موضوعات تو عموماً تاریخ کی دوسری کتابوں میں مل جاتے ہیں لیکن زیر تبصرہ کتاب اس لحاظ سے فوقیت رکھتی ہے کہ اس میں ہندستانی تہذیب و ثقافت کے سرچشموں اور اس کی بالیدگی و ترقی کی خاص نوعیت کی تحقیق کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں تاریخ اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ ہندستان کے دیہات میں جلوہ فرما دیکھی جا سکتی ہے۔

زیر نظر کتاب 319 صفحات پر مشتمل ہے اور مصنف نے اسے چھے ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ ان ابواب میں جن واقعات و حالات پر غور و فکر کیا گیا ہے وہ ہیں: قدیم ابتدائی معاشرہ و قبائلی زندگی، وادی سندھ کی تہذیب، آریوں کا حملہ جس نے اس تہذیب کا خاتمہ کر دیا مگر مشرقی آریائی آبادکاری کو ممکن بنا دیا، ذات پات کے نظام، لوہے کے آلات اور ہل کی مدد سے وادی گنگا کا افتتاح، مگدھ اور بدھ مذہب کا عروج، زرعی دیہات کی پیداوار پر مبنی ایک شہنشاہیت کی مدد سے موریہ خاندان کی ملک گیر فتح، شہنشاہی سلطنت کی یکایک تباہی، دکن میں بادشاہوں کا قیام اور ساحلی پٹی پر بادشاہت کا آغاز، جاگیرداریت کے ظہور کا طویل عمل اور بدھ مذہب کا زوال۔ اس طرح ہم اسلامی دور اور ہندستان کے ازمنہ وسطیٰ میں داخل ہو جاتے ہیں اور اسی جگہ اس چیز کا اختتام ہو جاتا ہے جس کو قدیم ہندستانی ثقافت کہا جا سکتا ہے۔ یہ تمام ابواب ہندستانی معاشرے کے نہ صرف ماضی سے بلکہ حالت موجودہ سے بھی ایک تعلق رکھتے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب کے مترجم بال مکند عرش ملسیانی کی کاوش یقیناً قابل ستائش ہے۔ انھوں نے ترجمے کی کئی دشواریوں پر قابو پا کر ترجمے کی ایک عمدہ مثال پیش کی ہے۔ کتاب کے وسط میں قدیم تہذیب و ثقافت کو نمایاں اور واضح کرنے کے لیے تصویریں دی گئی ہیں اور ساتھ میں تصریح بھی کر دی گئی ہے۔ بحیثیت مجموعی یہ ایک مفید اور دلچسپ کتاب ہے جسے تاریخ و ثقافت کے عام انداز و روش سے ہٹ کر لکھا گیا ہے۔

●

دیواروں کے باہر / ندا فاضلی

صفحات، -/150 روپے

ناشر: معیار پبلی کیشنز، کے 302 / تاج انکلیو، گیتا کالونی، دہلی-31

مبصر: وسیم بیگم

ندا فاضلی بیسویں صدی کی آخری تین دہائیوں میں ابھرنے والے مشہور شعرا میں سے ہیں۔ ان کے اب تک چار شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ اپنی پہلی نثری تصنیف انھوں نے تقریباً 20 سال پہلے تحریر کی۔ زندگی کے جو بھی تجربے ہوئے انھیں انھوں نے اپنے مخصوص انداز میں "دیواروں کے بیچ" میں قلم بند کیا۔ ان کی دوسری نثری تصنیف جو اسی سوانحی ناول کا دوسرا حصہ ہے "دیواروں کے باہر" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

زیر نظر کتاب میں انھوں نے دیواروں کے باہر ہونے والے تجربات اور مشاہدات کو دہرایا ہے۔ زندگی کے اس سفر میں کون کون سی معروف ہستیوں سے ان کی ملاقات ہوئی، کن حالات میں ہوئی اور کس نے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ اپنی آپ بیتی کو انھوں نے موثر انداز میں جگ بیتی بنا کر پیش کیا ہے۔ ندا فاضلی شاعری کی طرح نثر میں بھی انفرادیت قائم رکھنے کے

قائل ہیں۔ ان کا اپنا ایک اچھوتا انداز تحریر ہے جس سے ان کی نثر زیادہ پرکشش اور پرلطف ہو جاتی ہے۔

ندا نے اس ناول میں اپنے زمانے کے مشہور فنکاروں کا ذاتی ملاقاتوں کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ بیدی اور کرشن چندر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں"... دونوں کو ایک دوسرے سے کئی شکائتیں ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ کرشن جی ان شکایتوں کو ادب و زندگی سے جوڑ کر اسے ترقی پسندی کا مسئلہ بنا کر اپنی محفلوں میں بار بار دہراتے ہیں اور بیدی انھیں لطیفوں کا روپ دے کر خود بھی ہنستے ہیں اور دوسروں کو بھی ہنساتے ہیں... بیدی کا اپنی کہانیوں کے کرداروں سے رشتہ گھر کے افراد جیسا ہوتا ہے۔ وہ لکھتے وقت بھی ان کے دکھ سکھ میں شریک رہتے ہیں اور جب کہانی سناتے ہیں تو انھی کے ساتھ کبھی ہنستے ہیں، کبھی زار زار روتے ہیں۔"

ندا کا مشاہدہ گہرا اور نظر جزرس ہے۔ اپنی شاعری کے حوالے سے لکھتے ہیں:"میری شاعری نہ صرف ادب اور اس کے پڑھنے والوں کے ادبی رشتے کو ضروری مانتی ہے، اس کے تہذیبی و سماجی حوالے کو اپنا معیار بھی جانتی ہے۔ یہ شاعری ہی میرا سفر نامہ بھی ہے اور زندگی اور معاشرے کے تعلق سے میرے شعری رویے کا اقرار نامہ بھی ہے۔"

ندا نے اس سوانح میں مختلف ممالک کے سفر کا بیان کر کے اس کو اور پرکشش بنا دیا ہے۔ انھوں نے سعودی عرب کے بعض حقائق کی نقاب کشائی کی ہے اور امریکہ کے معاشرتی و سماجی رویوں پر نکتہ چینی کی ہے۔ مغربی ممالک میں Weekend پر ہونے والے مشاعروں کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ مغربی تہذیب کے زیر اثر ٹوٹتے ہوئے ازدواجی رشتوں کی طرف بھی اشارے کیے ہیں۔ ندا نے کئی مقامات پر اپنی کچھ نظمیں، شعر اور غزلیں بھی دی ہیں جو اس سوانح کو اور زیادہ پرکشش بناتی ہیں۔

ندا نے حقیقت پر بے جا پردہ ڈالنے کی کہیں کوشش نہیں کی ہے لیکن تلخ بیانی سے بھی کام نہیں لیا ہے۔ کتاب کی دل چسپی شروع سے آخر تک برقرار رہتی ہے۔ "دیواروں کے باہر" سوانح کے اعتبار سے تو ایک اچھی کتاب ہے لیکن سوانحی ناول کے اعتبار سے اس کا پلاٹ شروع سے آخر تک مربوط نہیں ہے۔ نیز ان کا اپنا کردار بھی اس ناول کے ذریعے مکمل طور پر قاری کے سامنے نہیں آتا۔ شخصیت، ان کی خوبیوں اور ان کی کمزوریوں پر بھی روشنی نہیں پڑتی۔ امید ہے کہ ندا فاضلی کی یہ نثری تصنیف ادبی حلقوں میں پسند کی جائے گی اور سوانح نگاروں کے لیے نئے راستے ہموار کرے گی۔

●

شکستہ بتوں کے درمیان / سلام بن رزاق

176 صفحات، -/150 روپے

ناشر: ایڈشاٹ پبلی کیشنز، سانے بلڈنگ، سیکنڈ فلور، تانا بھائی لین، فلورا فاؤنٹین، ممبئی-400001

مبصر: عبیدالرحمان

سلام بن رزاق جدید افسانے کا ایک جانا پہچانا نام ہے۔ پیش نظر افسانوی مجموعے "شکستہ بتوں کے درمیان" سے قبل ان کے دو افسانوی مجموعے "ننگی دوپہر کا سپاہی" اور "معبرہ" شائع ہو چکے ہیں۔ ہندی میں مختصر کہانیوں کا مجموعہ "کام دھینو"، مراٹھی ناول کا ترجمہ "ماہم کی کھاڑی" ایک مونوگراف اور عصری ہندی کہانیوں کا انتخاب بھی منظر عام پر آکر اعتبار حاصل کر چکے ہیں۔

زیر تبصرہ مجموعہ سولہ افسانوں پر مشتمل ہے۔ یہ افسانہ نگار کے باطن سے نمو پذیر ہوئے ہیں اور کسی بندھے ٹکے موضوع کے جبر سے آزاد ہیں۔ کسی منتخب موضوع پر صرف لکھنے کی مہارت کی بنا پر تخلیق کیا ہوا افسانہ نہ تو زندگی کے حقائق سے قاری کو جوڑتا ہے اور نہ ہی افسانے کا حقیقی حسن پیش کرتا ہے۔ سلام بن رزاق اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ "میں لکھتا ہوں اس لیے کہ میں ہوں" اور اسی حوالے سے وہ آگے لکھتے ہیں کہ "جب میں اپنی کہانی سنانا چاہتا ہوں تو وہ میرے کسی کردار کی کہانی بن جاتی ہے۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ اپنی ساری کہانیوں کا بنیادی کردار میں خود ہوں۔" یہی وجہ ہے کہ پیش نظر مجموعے میں شامل تقریباً سبھی افسانے یک رخی موضوع سے انحراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور افسانہ نگار کی ذات کے حوالے سے معنی و مفہوم کے امکانات روشن کرتے ہیں۔ اس ضمن میں "اندیشہ"، "شکستہ بتوں کے درمیان"، "دوسرا قتل"، "ہدف"، "بنارسی سازی" اور "چہرہ" جیسی کہانیوں کی مثال پیش کی جا سکتی ہے جو اپنی وجودی اہمیت اور تخلیقی تشخص کی حامل ہیں۔ یہ کہانیاں اپنے عہد کے تصورات کی آئینہ دار ہیں۔ سلام بن رزاق نے اپنے افسانوں کے حوالے سے قاری کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑ لیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قاری ان افسانوں کو پڑھتے ہوئے روح عصر کی جھلکیاں صاف طور پر دیکھ سکتا ہے اور خود کو ان افسانوں کا ایک کردار پاتا ہے۔ دراصل یہی افسانہ نگار کی کامیابی ہے کہ وہ اپنے تخلیقی سفر میں قاری کو ہم سفر رکھتا ہے۔ تقریباً سبھی افسانوں کے مکالموں کی زبان، کردار اور ماحول سے مطابقت رکھتی ہے اور ان میں ربط اور تسلسل بھی برقرار ہے۔

مجموعی طور پر "شکستہ بتوں کے درمیان" اچھی کہانیوں کا خوبصورت مجموعہ ہے جس کی کمپوزنگ اور طباعت بھی صاف ستھری ہے۔ کہیں کہیں

پروف ریڈنگ کی غلطیاں نظر آتی ہیں جنھیں نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔

●

جواز و انتخاب / کوثر مظہری

436 صفحات، -/300 روپے

ملنے کا پتا: امکان انٹر نیشنل، دہلی

مبصر: مشتاق صدف

شعری انتخابات کی روایت بہت قدیم ہے۔ ہر دور میں شاعری کے حوالے سے دستاویزی کام ہوا ہے مگر اس کی شکلیں مختلف رہی ہیں یا پیمانے الگ الگ رہے ہیں، نئی شاعری اور نئی تنقید کے تعلق سے ڈاکٹر کوثر مظہری کی اس کتاب کی انفرادیت یہ ہے کہ انھوں نے ادبی تھیوریز کو بالائے طاق رکھ کر 80 اور بعد کی شاعری پر کھل کر بحث کی ہے اور جدید شعرا کے فنی اور فکری ابعاد کی مختلف پرتیں کھولنے کی کوشش کی ہے۔ حقانی القاسمی کا مذکورہ کتاب پر یہ کہنا بالکل درست ہے کہ "80 اور مابعد کی غزلیہ شاعری کے فنی اور فکری العباد کی تفہیم میں اس انتخاب کی وہی کلیدی حیثیت ہے جو شعری انتخابات میں ابو تمام کے دیوان الحماسہ کو حاصل ہے۔"

اس کتاب میں کوثر مظہری نے اپنے عہد کی نئی شاعری سے ہمیں روشناس کرا کر ادب کی ایک نئی عمارت تعمیر کی ہے۔ جس کی کھڑکیاں اور دروازے کسی تحریک، کسی ازم یا نظریے کی طرف نہیں کھلتے بلکہ اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔ انھوں نے زیر نظر کتاب میں کل 39 شاعروں کو شامل کیا ہے۔ جس میں شعرا کے مختصر تعارف اور منتخب کلام کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری پر تنقیدی و تاثراتی مضامین بھی دیے گئے ہیں۔ یہ مضامین بیشتر نئی نسل کے ناقدوں کے لکھے ہوئے ہیں جنھیں پڑھنے سے ان کی تحقیقی و تنقیدی بصیرت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر مظہری کے اس شعری انتخاب سے کچھ لوگوں کو ضرور شکایت ہوگی اور ان کا یہ الزام بھی ہوگا کہ انھوں نے اس کلکشن میں کئی اہم ناموں کو نظر انداز کر دیا ہے اور کچھ نئے ناموں کو اجاگر کیا ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ یہ مرتب کی مجبوری کہی جائے گی نہ کہ کوتاہی، کیوں کہ انھوں نے مذکورہ انتخاب میں اس رسک (Risk) کو تو اپنے سر لیا ہے۔ اگر ان میں سے کچھ نام بھی اس ادب پر ابھر کر سامنے آتے ہیں تو یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔

کوثر مظہری نے جو مقدمہ لکھا ہے وہ ایک چیلنج ہے اور متنازع ...... بھی۔ اس مقدمے میں ادبی نظریات کو زیر بحث لایا گیا ہے اور نئی نسل کی شاعرانہ قدر و قیمت کو ادب کی میزان پر تولنے کی کوشش کی گئی ہے، اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ ان کا یہ مبسوط دیباچہ اور انتخاب جتنا پرانا ہوگا اس کی اہمیت اور معنویت میں اضافہ ہوگا، اور نئی شاعری کے حوالے سے دستاویزی کتابوں میں اس کتاب کی کلیدی حیثیت ہوگی۔ تھوڑی بہت جو خامیاں کتاب میں موجود ہیں انھیں نظر انداز کرنے کی ضرورت ہے کیوں کہ یہی خامیاں اور کمیاں دوسروں کے لیے کچھ کرنے کی محرک ہوں گی۔

●

نگر ڈگر / آصف نقوی

128 صفحات، -/100 روپے

ناشر: سجاد پبلشنگ ہاؤس، 106، حوض رانی مالویہ نگر، نئی دہلی-17

مبصر: حسن مثنیٰ

"نگر ڈگر" آصف نقوی کا افسانوی مجموعہ ہے۔ ان افسانوں کو پڑھتے وقت ہمیں نہ صرف اپنے یہاں رونما ہونے والی سماجی اور معاشرتی تبدیلیوں کا احساس ہوتا ہے بلکہ معاشی درجہ بندی اور سیاسی ریشہ دوانیوں کی جھلکیاں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ افسانہ نگار نے اپنے افسانوں میں حقیقی زندگی کے ان پہلوؤں کو پیش کرنے کی سعی کی ہے جن سے ہم اور آپ اکثر و بیشتر مقابل ہوتے رہتے ہیں۔ آصف نقوی کا طرز تحریر بیانیہ ہے۔ انھوں نے گردو پیش کی ایسی تصویر کشی کی ہے جس پر حقیقت کا گمان ہونے لگتا ہے۔

مجموعے کا پہلا افسانہ "نگر ڈگر" ہے جو طویل ہو گیا ہے۔ عابد کے اندر پیدا ہونے والے تغیرات اور اس کے ذہن پر ناسٹلجیائی اثرات کا احاطہ کرتا ہے جس میں اس کے وطن علی گڑھ کے وہ تمام نقوش ابھر آتے ہیں جنھیں اس نے بچپن میں دیکھا، سمجھا اور برتا تھا۔ نقوی نے علی گڑھ کے تمام اہم مقامات مثلاً امیر نشان، سر سید نگر اور علی گڑھ یونی ورسٹی وغیرہ کا ذکر کچھ اس طرح کیا ہے کہ قاری افسانہ نگار کے ساتھ ساتھ ہو لیتا ہے اور بغیر کسی اکتاہٹ کے پورا افسانہ ایک ہی بار میں پڑھ ڈالتا ہے۔

اس مجموعے کے دوسرے افسانے بھی قاری کو ساتھ بہالے جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ افسانہ نگار نے نہ صرف چبھتے ہوئے عنوانات کا انتخاب کیا ہے بلکہ یہ احساس دلانے کی بھرپور کوشش کی ہے کہ ان افسانوں میں بیان کردہ واقعات خود اس کی زندگی کے کسی موڑ پر اس کے ساتھ پیش آچکے ہیں۔ انھوں نے آوارہ کتا-1، آوارہ کتا-2، آوارہ کتا-3، لنگڑا گدھا جیسے علامتی عنوانات کا بھی سہارا لیا ہے اور پھر استعاراتی انداز میں اپنے تجربات و مشاہدات کو پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

آصف نقوی معمولی سے معمولی واقعے کو بھی کہانی کا روپ دے دیتے ہیں جس کی مثالیں "کچلا ہوا ماسک"، "حقہ"، "لاشیں" یا پھر "پگڑی والے سردار جی" میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ان کا خاص وصف یہ ہے کہ وہ شاہد بھی ہیں اور (راوی) بھی۔ اسی لیے وہ سڑکوں، چوراہوں، گلی کوچوں اور بھیڑ میں پھنسے ہوئے تنہا انسانوں کی آنکھوں میں جھانک کر ان کے احساس و جذبات کا

مطالعہ کر لیتے ہیں اور پھر قطعیت کے ساتھ ان کا برملا اظہار بھی کر دیتے ہیں۔ "فلائی اوور" ایسا ہی ایک افسانہ ہے جس میں وہ رنگ روڈ کی ریڈ لائٹ پر کھڑی بسوں، کاروں اور موٹر سائیکلوں کے درمیان اخبار بیچتے بھوکے بچوں کے معصوم ہاتھوں کا ذکر کرتے ہیں۔

ان کی کہانی کہنے کا ڈھنگ قصہ گوئی کے مماثل قرار پاسکتا ہے جو قاری پر گراں نہیں گزرتا۔ ان کے یہاں ذاتی عصری اور کائناتی مسائل بھی کا ذکر ملتا ہے۔

انیس افسانوں کے اس مجموعے میں شروع سے آخر تک ایک بات جو بار بار کھٹکتی ہے وہ مصنف کا انگریزی آمیز اسلوب ہے جس سے انحراف کر کے بھی وہ اپنی بات عام فہم اردو میں بخوبی کہہ سکتے تھے۔ انگریزی کے الفاظ کا املا بھی اکثر و بیشتر غلط ہے لیکن ان غلطیوں کو کمپوزنگ کی غلطی تصور کر کے درگزر کر دینا ہی بہتر ہے۔

•

اگلی صدی کے موڑ پر / عظیم راہی

441 صفحات، -/100 روپے

ناشر: شبانہ عظیم، ملی مشاورت پبلی کیشنز، اورنگ آباد۔

مبصر: سہیل میاں

زیر تبصرہ افسانوی مجموعہ عظیم راہی کی تخلیقی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اس سے قبل ان کے افسانچوں کا مجموعہ "پھول کے آنسو" منظر عام پر آچکا ہے۔ عظیم راہی بیک وقت افسانہ نگار، شاعر اور نقاد کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ اس مجموعے میں انھوں نے اپنے جو افسانے شامل کیے ہیں ان کے عنوانات ہیں تلاش، مداوا، زخم زخم زندگی، آخری خط، بے آواز، بے یقینی کا عذاب، آئیڈیل، چہرا چہرا پہچان، اگلی صدی کے موڑ پر، یہاں سب خیریت ہے؟، بند دروازہ، راستے کھلے ہیں، سوالات، آخری اسٹاپ، اپنے گھر میں اجنبی، میں نے بھی سوچا تھا، مٹی کا سوال، سراب کے پیچھے اور اجالے کا کرب۔

مصنف کا بچپن ودربھ کے ضلع امراوتی کے ایک شہر اچل پور میں گزرا مگر ان کے ادبی جوہر اورنگ آباد میں آکر کھلے۔ پہلا افسانہ "نفرت کے پھول" 1977 میں اورنگ آباد ٹائمز میں شائع ہوا تھا جو وہاں کا مقامی اخبار تھا۔

عظیم راہی نے ابتدا میں رومانی کہانیاں لکھیں مگر بعد میں ان کے مزاج میں تبدیلی آئی اور رومان کی جگہ عصری موضوعات نے لے لی۔ زیر تبصرہ مجموعے کے تقریباً سبھی افسانوں پر عصری موضوعات حاوی ہیں۔ گھریلو مسائل کا بڑھتا دباؤ، مہنگائی، روزگار، سماجی نابرابری کی لعنتیں، شادی بیاہ کے حوصلہ شکن سودے، بے وقت کا بڑھاپا اور بیماری۔ اس مسموم فضا میں انسان سانس لیتا ہے اور "زندگی کو زخم زخم" ہوتے دیکھتا ہے۔ تمام عمر وہ سراب کے پیچھے دوڑتا ہے اور جب تھک جاتا ہے تو "آخری اسٹاپ" پر پہنچنے کی خواہش شدید تر ہو جاتی ہے۔ یہ آخری اسٹاپ ہی اسے اس بے معنی زندگی کا حاصل اور "مداوا" نظر آتا ہے۔ ماحول میں پھیلی بے حسی، نفسا نفسی، خود غرضی، ریاکاری اور نسلی تفاوت نے اعلیٰ اخلاقی قدروں کو جس طرح پامال کیا ہے اس سے حساس طبیعتیں بے چین ہو اٹھتی ہیں۔ عظیم راہی نے انھی تمام چیزوں کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ وہ روزمرہ کے حادثات کا محض مشاہدہ ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے کرب کو محسوس کرتے ہیں اور اسے اپنے افسانوں میں ڈھال دیتے ہیں۔ اخلاقی قدروں کے زوال کا المیہ ان کا خاص موضوع ہے۔ اعلیٰ قدروں کی پامالی کے احساس، ماضی سے اٹوٹ لگاؤ اور گزرے ہوئے کل کی جدائی کے غم نے ان کی کہانیوں کے لیے زمین ہموار کی ہے۔ ان کی کہانیاں ان کے اطراف کے کرداروں کے ذریعے وجود میں آئی ہیں جن میں اکثر و بیشتر ان کا اپنا کردار شامل رہا ہے۔ وہ واقعے کو دلچسپ بنا کر پیش کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ آئیڈیل، اپنے گھر میں اجنبی، آخری اسٹاپ، راستے کھلے ہیں، سراب کے پیچھے اور اجالے کا کرب عمدہ افسانے ہیں۔ "اگلی صدی کے موڑ پر" اس مجموعے کا سب سے بہتر افسانہ ہے جس میں مصنف نے حصول تعلیم کے جدید ترین طریقوں کے غیر افادی پہلوؤں کو ابھارا ہے اور الیکٹرانک میڈیا جس طرح کتابوں کو پیچھے دھکیل رہا ہے اس کے مضمرات پر روشنی ڈالی ہے۔

•

"ہردواد"— کشمیری کہانیوں کا مجموعہ / ڈاکٹر روپ کرشن بٹ

103 صفحات، -/100 روپے

ملنے کا پتا: ڈاکٹر روپ کرشن بٹ، پرنسپل نادرن ریجنل لنگویج سینٹر، پٹیالہ۔

مبصر: ویریندر پٹواری

ذکر ہوتا ہے جب کشمیری کہانیوں کا تب یاد آجاتی ہے ان شاہکار کہانیوں کی جو مرحوم اختر محی الدین، مرحوم بنسی نردوش، مرحوم امیش کول، شری ہری کرشن کول اور شری ہردے کول بھارتی جیسے قد آور کہانی کاروں نے لکھی ہیں۔ وہ لاجواب کہانیاں جو علاقائی ادب میں یادگار نظر آرہی ہیں۔ فکر ہوتی رہی ہو جب کشمیری کہانیوں کے مستقبل کی تب تاریکیوں کو چیرتی ہوئی چند اجلی کرنیں نظر آئیں تو یوں محسوس ہوتا جیسے پیاسے کو پانی نظر آیا ہو۔

علاقائی زبانوں میں شاید کشمیری ہی وہ زبان ہے جو جرائد کی سہولیات سے محروم ہے۔ اس لیے فقط وہ کہانیاں قارئین تک پہنچ پاتی ہیں جو کتابی شکل میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔

"ہردواد" یعنی "باد خزاں" میں ڈاکٹر روپ کرشن بٹ کی گیارہ کہانیاں شامل ہیں۔ یہ کتاب کشمیری ادب میں دلچسپی لینے والے قارئین و ناقدین کے لیے ایک خوبصورت تحفہ ہے۔ ڈاکٹر روپ کرشن بٹ ایک کشمیری ہندو ہیں

لیکن میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر وہ ایک کشمیری مسلمان ہوتے تب بھی وہ کشمیر کے موجودہ حالات پر اپنے خیالات، احساسات، جذبات و محسوسات کا اظہار کرنے کی خاطر دیئے ہی واقعات کے حوالوں سے وہی کہانیاں لکھتے جو "ہر بِرواو" میں شامل ہیں۔ کشمیریوں کی سوچ اور سمجھ ایک روایت کے دائرے میں رہی ہے اور رہے گی۔ کشمیر کا مسلمان آدھا ہندو ہے اور کشمیر کا ہندو آدھا مسلمان ہے۔ یہ آدھا آدھا جز کر ہی کشمیریت کہلاتا ہے۔

یہ حالات کی ستم ظریفی ہے کہ رشی منیوں اور صوفی سنتوں کی اس پرامن وادی میں شیطان نے نفرت کی دھند پھیلا کر پہلے لوگوں کو گمراہ کر دیا اور پھر دھواں پھیلا کر اُن کو آشوب چشم کا شکار بنا کر غیر یقینی حالات کے سپرد کر دیا۔

آج کشمیر سے نکالے گئے کشمیری ہندو یا کشمیر میں رہنے والے بیشتر مسلمان ایک ایسی صورت حال کا سامنا کر رہے ہیں جو نہ کوئی بیان کر سکتا ہے اور نہ عیاں۔ کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا۔ مگر دونوں طرف آگ برابر ہے۔

آج نہیں تو کل کشمیریت رنگ لائے گی اور بچھڑے ہوئے ملیں گے پھر۔ ایہاں غم فراق اور نشاط وصل میں کتنا فاصلہ ہے یہ کوئی نہیں جانتا۔ مگر دو قدم مسلمان چلیں، دو قدم ہندو چلیں تو فاصلہ چار قدم کم ہوگا۔ ڈاکٹر بٹ کی بیشتر کہانیاں جہاں گھر سے بے گھر ہوئے لوگوں کے کرب کی طرف اشارہ کرتی ہیں وہیں بیتے دنوں کی حسین یادوں کا مرہم لگا کر ذہنی سکون فراہم کرنے کی کوشش بھی کرتی ہیں۔ گویا جسمانی طور پر وہ اپنے بہت بڑے ملک کے کسی بھی کونے میں ہوتے ہوئے بھی ذہنی طور پر کشمیر میں رہتے ہیں۔ اپنے گاؤں میں، اپنے پڑوسی کے شانہ بشانہ۔ اپنے گھر میں ایک رشتے کو قائم رکھنے کی خاطر۔ ایک اٹوٹ ناتے کو ثابت کرنے کی خاطر۔ کہانیاں پڑھتے پڑھتے شاید یہ احساس ہوگا کہ یہ کہانیاں تو ہم پہلے بھی پڑھ چکے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم میں بیشتر لوگوں نے کہانیوں کے جیتے جاگتے کرداروں کو دیکھا ہے۔ پوشہ، فاروق، سوندکاک، ترنیہ فاتر، امرپتہ، زینہ دید، زیبہ ماس جیسے کردار چونکہ جانے پہچانے کردار ہیں اس لیے کہانی کار اور قاری دونوں جانتے ہیں کہ کس کی بات ہو رہی ہے۔

تمام کہانیوں کی روح سچائی ہے۔ سطور کے درمیان کچھ بھی پوشیدہ نہیں رکھا گیا ہے۔ ہر بات صاف گوئی سے کہی گئی ہے۔ واقعات یوں بیان کیے گئے ہیں جیسے ساتھ بیٹھا انسان سنا رہا ہے جیسے ساتھ بیٹھا انسان سنا رہا ہے اور سننے والا بہت ہی دلچسپی سے سن رہا ہے بلکہ ہاں میں ہاں بھی ملا رہا ہے۔ واقعات، حادثات یا سانحات میں تکنیکی بناوٹ ہے، نہ کہیں دکھاوٹ۔ ہاں پڑھتے پڑھتے قاری کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ بھی کہانی کا کردار ہے اور حمید داند جیسے موقع پرست کو دیکھ کر مرحوم شمیم کرہانی کا شعر بڑبڑا رہا ہے۔

جلتا تھا جو گھر میرا کچھ لوگ یہ کہتے تھے
کیا آگ سنہری ہے کیا آنچ سہانی ہے

ڈاکٹر بٹ کی کہانیاں وہ کہانیاں ہیں جن کا تعلق اُن لوگوں سے ہے جو اپنے وطن کی مٹی کی خوشبو سونگھنے کے لیے ترس رہے ہیں اور اپنے گھروں میں رہ کر وہ اپنے پڑوسیوں سے سُکھ دکھ کی باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ جو قارئین 1983 میں بالغ تھے وہ پڑھتے پڑھتے شاید جذبات کی رو میں بہہ کر مرحوم ساحر کا یہ مصرعہ بڑبڑائیں گے:

کبھی خود پر کبھی حالات پہ رونا آیا!

یا پھر خلاؤں میں گھورتے ہوئے اپنے آپ کو ہی پائیں گے، کسی اور کو نہیں۔ مجھے ذاتی طور پر کہانی "پتا" بہت پسند آئی بلکہ دل کو چھو گئی۔ کیوں کہ گھر سے بے گھر ہوئے لوگ بارہ سال گزرنے کے بعد بھی یہ نہ جان پائے ہیں— کہ اُن کا مستقل پتا کیا ہے اور ان کا مستقبل کیا ہے!!— یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ کشمیر کے کسی گاؤں، قصبے یا شہر میں رہنے والا آج یہاں ہے اور کل وہاں۔ پھر جانے کہاں کہاں! شاخ سے جدا ہوئے زرد پتوں کو کیا معلوم کہ "ہر بِرواو" یعنی بادِ خزاں اُن کو کہاں سے جارہی ہے۔!

"پتا" ایک کہانی ہی نہیں بلکہ ایک سوال ہے۔

ایک سوال جس میں فریاد بھی ہے اور ایک یلغار بھی ہے۔

ڈاکٹر روپ کرشن بٹ نے اپنی کہانیوں میں سادہ زبان استعمال کی ہے یعنی وہ زبان جو عام طور پر کشمیری گھروں میں بولی جاتی ہے اور وہ جو کہنا چاہتے تھے وہ کہنے میں کامیاب ہیں۔

•

مسائلہ تمثیل در ادبیات فارسی / اخلاق احمد آہن

128 صفحات، -/100 روپے
ناشر: سفارت خانہ افغانستان، ایف بلاک-50، شانتی پتھ، چانکیہ پوری،
نئی دہلی -110021
مبصر: احمد کفیل

اخلاق احمد آہن جواں سال شاعر اور ادیب ہیں۔ انھیں اردو کے علاوہ فارسی، انگریزی، ہندی اور عربی ادب کے مطالعے سے بھی شغف ہے۔ اس سے پہلے ان کی دو کتابیں "ہندستان میں فارسی صحافت کی تاریخ" (اردو) اور "ادھوری تصویر" (افغانی داستانوں کا ہندی ترجمہ) شائع ہو چکی ہیں۔

تمثیل یعنی Allegory عالمی ادب میں ایک ایسی صنف ہے جس کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں۔ بعض تعریفوں کو پڑھ کر قاری الجھ بھی جاتا ہے اور اس کے لیے تمثیل، تشبیہ اور استعارے کے مابین خطِ امتیاز کھینچنا مشکل ہو جاتا

ہے۔ اس صنف کو سمجھنے کے لیے اردو میں تو خاصی کتابیں مہیا ہیں لیکن فارسی میں بہت ہی قلت ہے۔ ایک دو کتابیں جو میری نظروں سے گزری ہیں وہ ناکافی ہیں۔ مثلاً استعلامی کی کتاب "تمثیل در ادبیات فارسی" میں تمثیل کی وضاحت معمہ بن کر رہ گئی ہے۔ ایک کتاب "تمثیل در اسطورہائے فارسی" ہے جس میں مصنف نے علامت اور استعارے کو تمثیل سمجھ لیا ہے۔

اخلاق احمد آہن نے تمثیل کی تعریف میں اردو، ہندی، انگریزی، عربی اور فارسی کے مفکرین کے حوالوں سے گفتگو کی ہے۔ مصنف کی اسی محنت اور دیدہ ریزی کے اعتراف میں اس کتاب پر "دفتر روابط فرہنگی سفارت کبریٰ دولتِ اسلامی افغانستان" نے انھیں اعزاز سے نوازا۔ اس کتاب میں کل چھے ابواب ہیں۔

(i) تمثیل یعنی چہ (ii) تعریف تمثیل (iii) کتابہائی نمایئگر تمثیل (iv) ارتباط تمثیل بہ سبک ہندی (v) تمثیل در ادبیات معاصر: خلیلی، سپہری و زریاب (vi) نمونہ ہائی تمثیل در نثر۔

پہلے باب میں انھوں نے تمثیل کے آغاز و ارتقا پر روشنی ڈالی ہے۔ بہ طورِ استشہاد مشہور ادیبوں کے آثار کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قرآن کریم سے بھی تمثیل کے ضمن میں وضاحتیں پیش کی ہیں۔ دوسرے اور تیسرے باب میں لغوی اور اصطلاحی تعریف بیان کی ہے۔ عبدالقاہر جرجانی، قدامہ بن جعفر، ابن رشیق اور امام زمخشری وغیرہ کی آرا پیش کرتے ہوئے جامع نتائج اخذ کیے ہیں۔ چوتھے باب میں سبک ہندی میں تمثیل کے نمونے تلاش کیے ہیں۔ عام طور سے ہندستانی فارسی کو "سبک ہندی" اور ایرانی فارسی کو "فارسی دری" کا نام دیا جاتا ہے لیکن فارسی ادب کے سنجیدہ قاری کو معلوم ہوگا کہ ان دونوں اسالیب کے درمیان خطِ فاصل کھینچنے کے لیے بہت سے تنازعات ابھرتے رہے ہیں جنھیں ہم "سبک بازگشت" کے نام سے جانتے ہیں۔ آہن اس تنازعے کو بھی زیر بحث لائے ہیں۔ پانچویں باب میں خلیلی، سپہری اور زریاب کے ادبی آثار سے تمثیل کی شناخت قائم کی ہے اور چھٹے باب میں فارسی نثر میں فنکاروں نے تمثیل کو کہاں کہاں اور کس طور استعمال کیا ہے اسے پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ کنز السالکین کی کتاب "عقل و عشق" کے چرچے اردو میں تمثیل کے ذیل میں اکثر ہوتے ہیں۔ پنچ تنتر، کلیلہ و دمنہ، مرزبان نامہ، طوطی نامہ، بہارستان جامی، سب رس، نیرنگ خیال جیسی اردو، ہندی، فارسی کی کتابوں کے ساتھ عصری ادبیات کو چھان پھٹک کر تمثیل کی پیچیدہ تعریفات کو قارئین کے لیے آسان کر دیا ہے۔

کتاب فارسی میں ہے لیکن زبان اتنی سہل ہے کہ فارسی کی تھوڑی سی سوجھ بوجھ رکھنے والا اردو قاری بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

انقلاب مردہ باد (فل لینتھ، ڈراما) / اشتیاق سعید

96 صفحات، -/100 روپے

ناشر: سب رنگ پبلی کیشنز، 177/1A، عائشہ منزل، پائپ روڈ، کرلا، ممبئی-70

اشتیاق سعید افسانہ نویس، ڈراما نگار اور ہدایت کار ہیں۔ "انقلاب مردہ آباد" ایک طنزیہ ڈراما ہے۔ یہ مصنف کی پہلی کتاب ہے۔ کتاب میں کئی ادیبوں اور ڈراما نویسوں کی رائے کو شامل کیا گیا ہے۔ ساجد رشید کے الفاظ میں "اشتیاق سعید کے ڈراموں میں بیک وقت ڈراما نگار اور ہدایت کار دونوں ہی کا دل پھڑکتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور کسی ڈرامے کی کامیابی کی ضمانت یہی اوصاف ہیں۔"

م۔ ناگ کے خیال میں "انقلاب مردہ باد" میں کسی غیر معمولی موضوع کو نہیں اٹھایا گیا ہے اور نہ ہی اس میں چونکانے والے فلسفیانہ مکالمے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے کردار جو ہماری گلیوں اور سڑکوں پر جا بجا نظر آتے ہیں انھی کی روزمرہ کی خوشی اور غم کی عکاسی اس ڈرامے میں کی گئی ہے۔"

مصنف نے بھی لکھا ہے کہ یہ ڈراما لکھنے کی تحریک انھیں اپنے محلے کی چائے کی دوکان پر بیٹھنے والوں اور چند دیگر لوگوں سے ملی۔ یہ ڈراما مارچ 1990 میں پہلی بار کرناٹک سنگھ کی جانب سے ممبئی میں کھیلا گیا۔

●

شہر بتاس / شوق احسنی ٹونکی

اردو میں 48 صفحات، دیوناگری میں 48 صفحات، قیمت -/50 روپے

ناشر: انجمن تعمیر اردو، نذر باغ، ٹونک، راجستھان

راجستھان کی ریاست ٹونک کی تاریخ اس طویل نظم میں پیش کی گئی ہے۔ شوق احسنی ٹونکی اس کے خالق ہیں جن کا بیان ہے کہ یہ نظم ٹونک کی تاریخی دستاویز تو نہیں لیکن تاریخ کا ایک ہلکا سا خاکہ ضرور ہے جسے پڑھ کر آنے والی نسل شاید ٹونک کے ماضی سے روشناس ہو سکے۔ نظم میں تہذیبی، ثقافتی اور سیاسی و ادبی سبھی گوشوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔

قومی اردو کونسل نے نہ صرف حوالہ جاتی بلکہ اعلیٰ درجات کی ضرورتوں کے مطابق درسی کتابیں شائع کی ہیں۔

طلبہ کے لیے خصوصی رعایت

دلیپ ایم. سالوی　"ہندستان کے سائنس داں" سے اقتباس

چرک

جو طبیب علم اور سمجھ کی روشنی کے ساتھ مریض کے بدن میں اتر نہیں پاتا وہ کبھی بھی بیماریوں کا علاج نہیں کرسکتا۔ اسے پہلے ماحول سمیت ان تمام چیزوں کا مطالعہ کرنا چاہیے جو مریض کی بیماری پر اثر ڈالتی ہیں، اور پھر علاج تجویز کرنا چاہیے۔ بیماری کے علاج سے زیادہ بیمار نہ پڑنے دینے کی احتیاط زیادہ اہم ہے (علاج سے احتیاط بہتر ہے)۔

یہ باتیں آج بالکل ابتدائی یا بچکانا سی معلوم ہوتی ہیں لیکن آج سے 20 صدی پہلے "چرک" نے آیوروید کی اپنی مشہور کتاب "چرک سمہتہ" میں درج کی ہیں۔ اس کتاب میں اس کی کہی ہوئی اور بہت سی ایسی باتیں موجود ہیں جنھیں آج بھی بڑے احترام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان میں سے کچھ عضویات (اعضا کا علم۔ فزیالوجی)، علم تشخیص (Etiology) اور جنینیات (بچے کی بالکل ابتدائی حالت۔ ایمبریالوجی) سے تعلق رکھتے ہیں۔

چرک پہلے طبیب تھے جنھوں نے ہاضمے، تحلیل (غذا کا بدن کا جز بننا۔ Metabolism) اور مامونیت (محفوظ رہنا۔ امیونٹی) کا تصور پیش کیا۔ چرک کے مطابق تین "دوش" (خلطیں) موجود ہونے کی وجہ سے جسم کام کرتا ہے۔ یعنی "پت" (بائل)، بلغم اور ریاح۔ اور یہ دوش تب پیدا ہوتے ہیں جب کھائی ہوئی غذا پر دھاتو، یعنی خون، گوشت اور ہڈیوں کا گودا کام کرتا ہے۔ لیکن غذا کی ایک جیسی مقدار کھانے پر ایک بدن، دوسرے بدن سے مختلف مقدار میں "دوش" پیدا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بدن دوسرے سے مختلف نظر آتا ہے۔ مثلاً اس سے زیادہ بھاری، طاقتور اور پھرتیلا ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ کہ انسان کے جسم میں موجود ان تین دوشوں کے آپسی تناسب میں خلل یا گڑبڑ پیدا ہو جانے سے آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔ اس تناسب کو دوبارہ ٹھیک کرنے کے لیے وہ دوائیں دیتے تھے۔ اگرچہ وہ بدن میں جراثیم کی موجودگی سے واقف تھے مگر وہ انھیں کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔

چرک جین (Gene) کی بنیادی باتوں سے واقف تھے۔ مثال کے طور پر وہ جانتے تھے کہ پیدا ہونے والے بچے کی جنس (لڑکا، لڑکی) کن باتوں پر منحصر ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ پیدائشی عیب (جسم میں کمی یا خرابی) جیسے لنگڑاپن یا اندھاپن ماں یا باپ میں کسی کمی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ ماں کے انڈوں یا باپ کے تولیدی مادے (اسپرم) میں خامی یا کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ آج سب اسے مانتے ہیں۔

چرک نے انسان کے جسم کی بناوٹ اور اس کے مختلف اعضا کی بناوٹ کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ انھوں نے بتایا کہ انسان کے جسم میں دانتوں کو ملا کر 360 ہڈیاں ہوتی ہیں۔ ان کی یہ سمجھ تو غلط تھی کہ دل میں صرف ایک تھیلی (خالی جگہ، کیوٹی) ہوتی ہے لیکن یہ سمجھ درست تھی کہ دل کنٹرول کرنے والا مرکز ہے۔ ان کا کہنا تھا 13 خاص نالیاں (چینل) ہیں جو دل کو پورے جسم سے جوڑے رکھتی ہیں، اور ان کے علاوہ بڑی چھوٹی ان گنت رگیں ہیں جو نہ صرف مختلف بافتوں (ٹشو) کو غذا پہنچاتی ہیں بلکہ ان کے فضلے (بیکار حصے) کو باہر لے جاتی ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ خاص نالیوں (رگوں) میں آجانے والی کسی رکاوٹ کی وجہ سے آدمی بیمار پڑ جاتا ہے یا بدن میں کوئی

خامی یا بے ضابطہ پن آجاتا ہے۔

ایک پرانے وید اتریا کی نگرانی میں اگنی ویش نے ایک انسائیکلوپیڈیا قسم کی کتاب آٹھویں صدی قبل مسیح میں لکھی تھی۔ لیکن چرک نے جب اسے پھر سے لکھا تب یہ مقبول ہوئی اور "چرک سمہتا" کہلائی۔ دو ہزار سال تک یہ اپنے موضوع کی مستند کتاب رہی اور عربی اور لاطینی زبانوں کے علاوہ دوسری اور زبانوں میں بھی اس کے ترجمے کیے گئے۔ لیکن خود چرک کی اپنی ذات کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ صرف اتنی جانکاری ہے کہ وہ کسی عالم فاضل شخص کا بیٹا تھا جو مریضوں کا علاج کرتے ہوئے جگہ جگہ پیدل سفر کرتا تھا۔

کناڈ

انسان، کائنات، اور اس کے پیدا کرنے والے میں کیا رشتہ ہے؟ اس سوال نے فلسفیوں اور مفکروں کو ہمیشہ الجھائے رکھا ہے۔ 600 قبل مسیح سے 200 عیسوی تک کے عرصے میں ہندستان کے فلسفیوں نے اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی بہت سی کوششیں کیں۔

ان فلسفیوں میں سے ایک کناڈ تھا جس نے 600 قبل مسیح میں پربھاس مقام پر "وشیشکا سوتر" (کچھ خصوصی مثالیں) غور اور بحث کے لیے پیش کیے۔ آج ہم مانتے ہیں کہ یہ سوتر (نکتے) سائنس، فلسفے اور مذہب کا ایک مرکب ہیں۔ ان سوتروں کی روح یا نچوڑ مادے کا ایٹمی نظریہ ہے۔ اگر کناڈ کے سوتروں کا تجزیہ کیا جائے تو یہ پتا چلتا ہے کہ ان کا ایٹمی نظریہ بعد کے یونان کے فلسفیوں لیوسپس اور دیماقریطس کے پیش کیے ہوئے نظریوں سے کہیں برتر ہے۔ اصل میں مادے کے اٹوٹ ذرے (ایٹم) کو انھوں نے ہی "پرمانو" کا نام دیا تھا۔

کناڈ کے مطابق ہر چیز پرمانو سے بنی ہے۔ اگر کسی مادے کے ٹکڑے کیے جائیں اور ٹکڑوں کے بھی ٹکڑے کیے جائیں تو پھر آخر میں جو ایسا ذرہ بچے گا جس کے پھر اور ٹکڑے نہ کیے جا سکیں تو اس ذرے کو "پرمانو" کہیں گے۔ لیکن اکیلا پرمانو کہیں ملتا نہیں۔ نہ انسان کا کوئی عضو (آنکھ، ناک، کان وغیرہ) اسے چھو کر محسوس کر سکتا ہے۔ یہ دائم (ہمیشہ رہنے والا) اور قائم (جسے ختم نہ کیا جا سکے) ہوتا ہے۔

اس کے آگے کناڈ کہتے ہیں ۔۔۔ اور یہیں وہ دوسرے فلسفیوں سے آگے بڑھ جاتے ہیں ۔۔۔ کہ پرمانو اتنی ہی مختلف طرح کے ہوتے ہیں جتنی مختلف قسموں کے مادے ہوتے ہیں، جو اس زمانے کے اعتقاد کے مطابق مٹی، پانی، ہوا اور آگ تھے۔ ہر پرمانو کا خصوصی وصف اسی طرح کا ہوتا تھا جس طرح کا مادہ ہوتا ہے۔ پرمانو کی اسی خصوصیت کی وجہ سے اس نظریے کو "وشیشکا سوتر" کہا گیا۔

کناڈ کا یہ بھی کہنا تھا کہ ایک پرمانو دوسرے پرمانو سے اپنی اندر کی خواہش یا تقاضے سے مل بھی جاتا ہے۔ اگر ایک ہی طرح کے مادے کے دو پرمانو مل جائیں تو "دوئی نوکا" یا جوڑے دار مالیکیول (بائی نری مالی کیول) پیدا ہوتا ہے جس کے اوصاف مل جانے والے دونوں پرمانو جیسے ہوں گے۔ مختلف طرح کے مادوں کے پرمانو بھی آپس میں بڑی تعداد میں مل سکتے ہیں۔

کناڈ نے کیمیائی تبدیلی کا خیال بھی پیش کیا۔ ان کا خیال تھا کہ تپش (گرمی) اس تبدیلی کی ذمے دار ہوتی ہے۔ گرمی پاکر پرمانو کے اوصاف بھی بدل جاتے ہیں۔ گرمی کا عمل دکھانے کے لیے انھوں نے کورے مٹی کے برتن کے کالے پڑ جانے اور آم کے پک جانے کی مثالیں دیں۔ کناڈ نے کہا کہ کائنات میں جتنی بھی چیزیں دکھائی دیتی ہیں وہ سب پرمانو کی خصوصیت، ان کے الگ الگ طرح کے ہونے، طرح طرح سے ان کے آپس میں مل جانے اور تپش (گرمی) کے عمل کی وجہ سے بنی ہیں۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ مرتضویہ ایجوکیشنل اینڈ کلچرل فاؤنڈیشن آف ساؤتھ انڈیا، چنئی میں قائم قومی اردو کونسل کے کمپیوٹر تربیتی مرکز کے جلسہ تقسیم اسناد سے خطاب کرتے ہوئے۔

مجلس ملیہ اسلامیہ، بنگلور میں واقع کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سنٹر کی طالبات تقسیم اسناد کے جلسے کے بعد۔
یہ جلسہ 5/دسمبر 2001 کو بنگلور جامع مسجد کے لائبریری ہال میں منعقد ہوا۔

RNI No 70323/99 DL-15052 / 2002

URDU DUNIYA Monthly, March 2002, Vol. 4, Issue: 3
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Education, Ministry of H.R.D., Government of India, New Delhi

فنکشنل عربی میں قومی اردو کونسل کا دو سالہ ڈپلومہ

(اللغة العربية الوظيفية)

رجسٹریشن 31 مارچ 2002 تک

اہلیت : عربی کی ابتدائی تعلیم مع قواعد۔ اس کے علاوہ عربی لکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت بھی لازمی ہے۔

- روزمرہ میں استعمال ہونے والی عربی زبان اور عربی پڑھنے والے طالبِ علموں کو معاصر تقاضوں سے جوڑنے کی ایک بڑی کوشش
- باوقار روزگار کے موقعوں سے جوڑنے کے لیے اس کورس کو عربی شارٹ ہینڈ اور کمپیوٹر پیکیج سے جوڑنے کی کوشش

یہ کورس دو سال کی آٹھ اکائیوں (Modules) میں منقسم ہے۔ ہر چھ ماہ کے لیے دو اکائیاں (Modules) ہیں جن میں سولہ اسباق عربی مکالمے (Dialogues) پر مشتمل ہیں۔ ہر اکائی میں تدریبات شامل ہیں۔ ہر اکائی کے لیے گائڈ بک بھی ہے جو عربی مکالمے پر مشتمل اسباق کی اکائی سے علاحدہ کتاب کی شکل میں ہے۔ ہر چھ ماہ پر دو اکائیاں (Modules) مع گائڈ بک طلبہ کو ارسال کی جائیں گی۔

ہر ششماہی کے پانچ ماہ گزرنے پر متعلقہ اکائیوں کے اسباق و تدریبات پر مبنی ایک جوابی پرچہ (Response Sheet) کونسل کی طرف سے ارسال کیا جائے گا۔ طلبہ اس پرچے کے مطابق جوابات ارسال کریں گے۔ جوابی پرچے کی بنیاد پر کامیاب طلبہ کو دوسری ششماہی کی دو اکائیاں مع گائڈ بک ارسال کی جائیں گی۔ اس طرح دوسری ششماہی سے چوتھی ششماہی تک یہی عمل دہرایا جائے گا۔ چوتھی ششماہی تک کامیاب طلبہ کو کونسل کی طرف سے ڈپلومہ سرٹیفکیٹ دیا جائے گا۔

جوابی پرچے کی کارگزاری کی بنیاد پر فیل ہونے والے طلبہ دوسرے سال اسی متعینہ ششماہی میں اس کورس کو مکمل کرکے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اس ششماہی میں کامیاب ہونے کے بعد ہی کونسل ڈپلومہ سرٹیفکیٹ دے گی۔

تفصیل کے لیے رابطہ قائم کریں :

ایجوکیشن سیل، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

ویسٹ بلاک۔ 8 ونگ نمبر۔ 7، آر. کے. پورم، نئی دہلی 110066

Printed and Published by Dr. M. Hamidullah Bhat, Director, NCPUL on behalf of NCPUL, Printed at J.K. Offset Printers, Jama Masjid, Delhi-110006 and Published at NCPUL, West Block-I, Wing-6, R.K. Puram, New Delhi-110 066, Editor Dr. M. Hamidullah Bhat. Tel : 6103381, 6103938